# غزلیاتِ حسرت

رئیس المتغزلین مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی
کے کلام سے انتخاب

انتخاب: تنویر عباس نقوی

اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹیمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳

ناشر : تخلیقات لاہور

اہتمام : لیاقت علی

پرنٹرز : اے این اے پرنٹرز لاہور

ٹائیٹل : ریاظ

سن اشاعت : 1998

قیمت : 80 روپے

**یاسمین نشاط**

کے نام
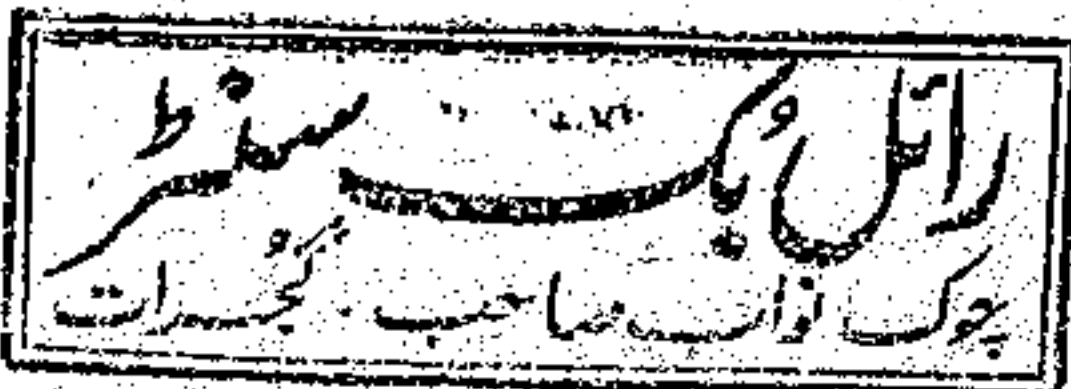
ذرا سی بات تھی، اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لیے
(اقبالؔ)

# فہرست



## غزلیات

# حسرت صاحب اور ان کے نظریات

(یہ مضمون مولانا حسرت موہانی کی پہلی برسی پر لکھا گیا تھا جو روزنامہ "امروز" میں ۲۶ جون ۱۹۵۶ء کو شائع ہوا)

خُلفائے ادب نے خود ستائی کا ایک نیا ڈھنگ نکالا ہے۔ کوئی بڑا شاعر، ادیب یا اخبار نویس اس دنیا سے رخصت ہوا اور یہ حضرات اپنی یادوں کے خوانچے لے کر بازار میں آن موجود ہوئے۔ اور شروع کر دی مردہ فروشی، منٹو، مجاز، مولانا چراغ حسن حسرت سب پر یہی گزری اور نہ جانے کب تک گزرتی رہے گی۔ مولانا حسرت کی پہلی برسی کے موقع پر اخباروں میں جو مقالے لکھے گئے ہیں ان کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ عقیدت کے پھول حسرت پر نچھاور کئے جا رہے ہیں یا ان کا مقصد اپنے لئے ہار گوندھنا ہے۔ حسرت کی شخصیت کو اجاگر کرنا ہے یا اپنی شخصیت کو ابھارنا ہے۔

مولانا حسرت شاعر تھے مگر ایسے شاعر جو شعر کہنے میں بھی بخل کرے اور شعر سنانے میں بھی۔ وہ صاحبِ طرز ادیب تھے مگر کسی نے ان کو اپنے مضامین کا ڈھنڈورا پیٹتے نہ دیکھا۔ وہ طنز و مزاح کا بڑا ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ مگر فکاہی کالم کولمبس اور سند باد جہازی کے نام سے لکھتے تھے ان کی باوقار شخصیت نے انہیں کبھی اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ اپنے نقیب آپ بنیں اور اپنے فن کی ڈھول خود پیٹیں۔ اپنی شخصیت پر پردہ ڈالے رکھنا، اسے تھوڑا سا پراسرار بنا دینا انہیں بہت پسند تھا۔ جو حسن نقاب کے پیچھے سے جھلکے اُس میں بڑی کشش ہوتی ہے۔

مولانا حسرت چاہتے تو اپنے ہمعصر اخبار نویسوں کی مانند بنگلہ اور کار کے مالک بن سکتے تھے مگر اخبار نویسی کا جو معیار انہوں نے اپنے لئے قائم کیا تھا اس میں ذاتی منفعت

کی گنجائش بہت کم تھی۔ اُنہیں اپنی قلندرانہ شان زیادہ محبوب تھی۔ اُن کا بس چلتا تو وہ سدا گمنام رہتے۔ گمنامی کی شہرت میں جو مزہ ہے ہو ناموری کو کہاں نصیب مگر وہ گوشہ نشین نہ تھے۔ ان کے دوستوں اور ملنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ہر طبقہ اور ہر قماش اور ہر قبیلہ کے لوگوں سے ان کی آشنائی رہتی تھی۔ البتہ حاشیہ نشینی انہوں نے کبھی نہیں کی۔ نہ انگریزوں کی نہ اپنے ہم وطنوں کی حالانکہ جنگ کے زمانے میں وہ ایک فوجی محکمہ سے بھی منسلک ہو گئے تھے۔ حسرت صاحب جس سے ملتے تھے برابری سے ملتے تھے بڑا رکھ رکھاؤ تھا ان کے مزاج میں' خوشامد کرنا انہیں آتا ہی نہ تھا۔ نہ کسی رئیسِ شہر کی نہ کسی وزیرِ مملکت کی چاپلوسی انہوں نے کبھی کی۔ ساری عمر نوکری کرتے گزاری مگر نازک مزاجی کی جو روایتیں میر اور درد سے منسوب ہیں حسرت حق المقدور انہیں کی تقلید کرتے رہے۔ کوئی بات مزاج کو ناگوار گزرتی تو وہ بے دھڑک اس کا اظہار کر دیتے۔ نہ ملازمت کی پروا کرتے نہ خالی جیب سے خوف کھاتے۔ حاضر جوابی اس پر نڈر پن' بڑے سے بڑے صاحبِ ثروت ان کی بات سن کر دانتوں تلے انگلیاں رکھ لیتے' یہی رکھ رکھاؤ یہی نازک مزاجی اور یہی بانکپن ان کی تحریروں میں موجود ہے۔

حسرت صاحب سوٹ پہنتے تھے' اور ہیٹ لگاتے تھے۔ مگر ان کے دل و دماغ مغربیت کی زد سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ ان کی فکر کا انداز اور ان کے محسوس کرنے کا طریقہ خالص مشرقی تھا۔ ان کو اپنی مشرقی تہذیب سے اس کی بنیادی قدروں سے' اس کی رنگینیوں اور لطافتوں سے' اس کے ادب و فن سے' اس کے رقص و نغمہ سے بڑی محبت تھی' وہ مغرب کی اچھی چیزوں کے مخالف نہ تھے۔ ان کو بڑی فراخدلی سے قبول بھی کرتے اور برتتے بھی مگر اس حد تک جس حد تک وہ ان کے مشرقی کردار پر حاوی نہ ہو جائے۔ ان کی مشرقی شخصیت کو مجروح نہ کر دے۔ مشرق سے ان کی بے پناہ محبت ان کی تحریروں میں جابجا جھلکتی ہے۔ مگر یہ محبت اندھی نہ تھی۔ حسرت صاحب مشرقی تہذیب سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ ہماری موسیقی پر فقط سر دُھننا نہ جانتے تھے' اس کے اسرار و رموز سے بھی آگہی رکھتے تھے اور انہیں ان مشرقی قدروں کے مٹنے کا بھی بڑا غم تھا۔

حسرت صاحب ادب میں نئی تحریکوں کے مخالف تو نہ تھے لیکن شعر و شاعری کے معاملے میں وہ قدماء کے زیادہ قائل تھے۔ فارسی اور اُردو کے پرانے شاعروں کا کلام انہیں کافی یاد تھا اور نجی محفلوں میں بھی وہ پرانوں ہی کے شعر زیادہ شوق سے پڑھتے تھے۔ دراصل وہ نوجوان شاعروں اور ادیبوں سے زیادہ خوش نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارے نوجوان نہ زبان کی باریکیوں سے واقف ہوتے' نہ انہوں نے عروض و بیان کی کتابیں پڑھی ہوتیں' نہ پرانے شاعروں کے دیوان ان کی نظر سے گزرتے' نہ مطالعہ' نہ غور و فکر' پھر وہ اچھے شعر کیا کہیں گے اور سخن فہمی انہیں کیا خاک آئے گی۔ چنانچہ اپنے مزاحیہ مضامین میں وہ جا بجا نئے ادیبوں کی بے بضاعتی پر چوٹیں کرتے ہیں اور آج کل کے ادبی جلسوں اور مشاعروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مگر اس انداز سے نہیں کہ دوسروں کی دل آزاری ہو یا ان پر اپنے علم و ذکاوت کی دھاک بٹھائی جائے۔ دراصل مزاح نگار کی خوبی یہ ہے کہ وہ چٹکی لے ڈنک نہ مارے۔ فقرہ چُست کرے گالیاں نہ دے۔ دوسروں کی خامیاں اس طرح نہ بیان کرے کہ اس سے اپنی بڑائی کا پہلو نکلتا ہو۔ حسرت صاحب کے انداز نظر کا تعلق ان کے فلسفہ حیات اور کردار سے تھا۔ وہ فطرتاً" انسانیت دوست آدمی تھے۔ ان کی طبیعت میں نہ کھوٹ تھا نہ کپٹ' نہ خبث نہ بد طینتی' ان کی کسی سے ذاتی دشمنی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا وہ مذاق اڑاتے وہ بھی برا نہ مانتا بلکہ اس ہنسی میں خود بھی شریک ہوتا۔

مولانا حسرت اگر کم آموز نوجوانوں سے شاکی تھے تو ان کتاب برداروں کو بھی اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے جو علم کے غرور کو علم کے حصول پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس قسم کے علامہ حضرات اکثر ان کے طنز کا شکار رہتے تھے۔ زرنخ مریخ سے کرہ ارض کی سیر کرنے آتا ہے۔ حسرت صاحب اسے یونیورسٹی لے جاتے تھے۔

"جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متحیر کیا وہ اس دانش گاہ کی عمارت ہے' عمارت خاصی بڑی ہے لیکن اس کے چہرے پر نہ شفقت کا گداز ہے' نہ محبت کا نور۔ اس کی آنکھوں سے غرور ٹپک رہا ہے اور ماتھے پر بل پڑے ہیں۔ اسے دیکھنے سے نہ تو آنکھوں کو لذت ملتی ہے' نہ قلب و دماغ کو آسودگی نصیب ہوتی ہے' ہاں دل پر ہیبت ضرور طاری ہوتی ہے۔ اہلِ زمین کے نزدیک علم کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک مہیب چیز

ہے جس کے چہرے سے خشونت کے ساتھ ساتھ قدامت اور فرسودگی کے آثار ہویدا ہیں، گویا علم کوئی ایسی چیز نہیں جس سے محبت کی جا سکے۔ اس سے تو صرف ڈرنا چاہیے۔"

زر تیغ اس دانش گاہ کے دانشوروں سے ملتا ہے ان کے کردار اور انداز کی تصویر حسرت کا قلم ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔

"ان سب لوگوں کے دِلوں پر کوئی بڑا بوجھ ہے کوئی پُراسرار غم انہیں اندر ہی اندر گھلائے ڈالتا ہے۔ کیا علم کا بوجھ ہے کیا وہ کوئی دُکھ ہے پھر اس افسردگی اور اداسی کے کیا معنی۔ ان لوگوں کے ہونٹ مسکراہٹ سے کیوں محروم ہیں۔"

مولانا حسرتؔ کے ہونٹ بھی مسکراہٹوں سے محروم رہے لیکن علم کی رعونت اور دانش کی خشونت کے باعث نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں سمجھوتہ کرنے اور مصلحت کے تقاضوں کو نباہنے میں بڑی دشواری پیش آتی تھی، طبیعت کی افتاد ہی ایسی تھی ان لوگوں سے بنائے رکھنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ جو رُوپہلی سنہری مسکراہٹوں کے خزانوں پر سانپ بن کر پہرہ دے رہے ہیں۔

مگر کیا اس دلکش شخصیت کا ہمارے ادب میں کوئی مقام ہے؟ کیا اس کی ہلکی پھلکی تحریروں میں اتنی جان ہے کہ آنے والی نسلیں انہیں شوق سے پڑھیں۔ ان سے متاثر ہوں یا ان سے کچھ سیکھیں۔ ان سوالوں کا جواب کوئی منجم ادب ہی دے سکتا ہے۔ ابدیت کی فکر وہ کرے جس کو دنیا کی اور کوئی فکر نہ ہو۔ ہم تو فقط اتنا جانتے ہیں کہ آج جب ہماری زندگی میں کم کم خوشیاں ہیں اگر کوئی فن کار غمگین دلوں کو ایک لمحے کے لئے بھی مسرور کر دے تو یہ بڑی خدمت ہوئی ادب کی اور انسانیت کی۔ حسرت صاحب نے یہ تو کبھی نہیں کیا کہ ہماری توجہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے ہٹاتے البتہ ان تلخیوں کا مقابلہ مسکرا کر کرنا ایسا ہُنر تھا جو حسرتؔ کے سوا بہت کم لوگوں کو آتا ہے۔

حسرتؔ صاحب اپنے وقت کے نہ افلاطون تھے، نہ ڈاکٹر جانسن —— آج کتنے لوگ ہیں جو افلاطون اور جانسن کو پڑھتے ہیں۔ ان کی تحریریں نہ علم کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں نہ معرفت و عرفان کے سیلاب ان سے بہتے ہیں۔ سیدھی سادھی باتیں ہیں

اس دنیا کے چھوٹے موٹے مسائل ہیں جن کو حسرت نے بڑی صاف اور شستہ زبان میں طنز و مزاح کے چٹخارے لے لے کر بیان کر دیا ہے۔ نازک نازک سی کہانیاں ہیں، ہندوستانی دیو مالاؤں کی گنتی کی چند غزلیں ہیں۔ ہلکی پھلکی جنہیں چاندنی رات میں اکیلے بیٹھ کر گنگنایا جا سکے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ آنے والی نسلیں ان چیزوں سے کیا سیکھیں گی۔ مگر جس طرح زندگی کی ابدیت عبارت ہے اس کے تسلسل سے اسی طرح تہذیب اور اس کے گوناگوں مظاہر کی ابدیت بھی عبارت ہے ان کے تسلسل سے۔ انسانوں کو وہ پہلا گروہ جس نے تیر کمان بنایا یا جس نے مٹی کو پکانے کا فن ایجاد کیا۔ اتنا ہی امر ہے جتنا آج کل کا ٹیلی فون اور ریڈیو اور ہوائی جہاز بنانے والا گروہ۔ زندگی، تہذیب، ادب، شعر و شاعری سب رواں دواں آگے بڑھی جا رہی ہیں۔ ان کی راہوں میں کچھ سخت مقام بھی آتے ہیں۔ ہیبت ناک گھاٹیاں تپتے ہوئے صحرا و بیابان، دشوار گزار راستے۔ اور مبارک ہیں وہ انسان جو اپنی تحریروں اور تقریروں سے اپنی اور مسکراہٹوں سے اس سفر کو آسان بنا دیتے ہیں۔ اور قافلہ والوں کو زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔

سید سبط حسن

# حسرت موہانی

حسرت موہانی پر یہ میرا دوسرا مضمون ہے۔ پہلا مضمون اب سے تقریباً پندرہ برس پہلے لکھا گیا تھا۔ اپنے پہلے مضمون میں، میں نے حسرت کے متعلق بعض تنقیدی تصورات کو رد کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے جب پہلا مضمون لکھا تھا تو میں فانی اور یگانہ کا پرستار تھا۔ فانی کی شکست میں ایک گھما گھمی اور یگانہ کے ٹکراؤ میں ایک ہلچل نظر آتی تھی۔ ان کے مقابلے میں حسرت پر سکون کیفیات کے باعث سادہ اور سپاٹ دکھائی دیتے تھے۔ ان کی شاعری میں بالعموم تاثیر کی کمی اور شخصیت کا فقدان نظر آتا تھا۔ تاثیر اور شخصیت ــــــ رومانی تنقید کے یہ دو معیار حسرت کی شاعری سے انصاف کر ہی نہیں سکتے تھے اور اسی بات کا جائزہ میرے اس دوسرے مضمون کی غایت ہے۔

اب میں اپنی کی ہوئی غلطیوں پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ میں نے اپنے تھوڑے بہت تجربے سے شاعری کے بارے میں اپنی چند غلطیوں کا ازالہ کر لیا ہے۔ مجھے اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ شاعری محض شدید جذبات کا شدید اظہار ہی نہیں ہوتی۔ نہ ہی یہ محض شخصیت کے اظہار سے ہوتی ہے۔ شاعری جذبات کی تہذیب اور اس تہذیب کے حاصل شدہ زندگی کے اعلیٰ رویوں کے نزدیک اس نوعیت کی شاعری عظیم تر شاعری ہوتی ہے۔ جذبات کی تہذیب اور شخصیت کی نفی کا حاصل ذات کا وہ سکون ہوتا ہے جس میں گھن گرج نہیں ہوتی۔ گھن گرج شکستہ ذات کے مختلف ٹکڑوں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے، جس کی تلاش حسرت موہانی جیسی مہذب اور منظم ذات کے یہاں بے

معنی ہے۔ انا اور فوق الانا کے درمیان کشمکش اور شکست انا کی دلدوز کہانی عہد کی شعری دستاویز میں ہر طرف بکھری نظر آتی ہے۔ مگر حسرت موہانی کے یہاں شکستِ انا کا انفرادی دُکھ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے یہاں نفی انا سے پیدا ہونے والی اکائی ہے۔ عشق کا رویہ ہے۔ عشق میں ناکامی اور بے حاصلی ہی زندگی کا حاصل ہے۔ ناکامی اور بے حاصلی کا رونا نہیں ہے۔ ناکامی اور بے حاصلی تو زندگی کرنے کا ڈھب ہیں۔ فقروغنا اور تسلیم و رضا کے رویوں سے پیدا ہونے والی آزاد منشی ہے۔ جس کی کہانیاں زبان زد عام ہیں۔ ان کی زندگی کی توانائی اور قوت کا سرچشمہ "کامیابی" کی خواہش سے نہیں پھوٹتا۔ ان کی توانائی اور قوت بے حاصلی اور ناکامی کو زندگی کا رویہ بنانے میں تھی۔ بقول میرؔ

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

ناکامیوں سے کام لینے والے لوگوں کے بارے میں آپ بہت کچھ جانتے ہیں یونان کے اس مرد درویش کے بارے میں آپ نے سن رکھا ہے' جس نے سکندرِ اعظم کی عزت افزائی کے جواب میں محض یہ کہا تھا کہ حضرت "ذرا دھوپ چھوڑ کر کھڑے ہو جائیے" آپ اپنے ان بزرگوں کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے ہیں جن کی قوت عاشقی' بے حاصلی' ناکامی اور فقر میں تھی اور جن کی ان قوتوں کے سامنے منصبُ و جاہ اور کامیابی کی قوتیں ہمیشہ ڈھلتی رہتی تھیں۔ مگر یہ بات آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ 1857ء کے بعد زندگی کے اعلیٰ رویے "کامیابی" اور حصول کے رویے قرار پائے اور اب جو جتنا "کامیاب" ہے اور جسے جتنا "حاصل" ہے اتنا ہی وہ زندگی میں قدر کا حامل ہے ہم سب کو یہ بات دلنشین ہو چکی ہے کہ تصوف رہبانیت سکھاتا ہے۔ پس اس سے ڈرنا چاہئے اور دنیا سے فوری تعلق قائم کرکے کامیابی کی دوڑ میں ہمہ تن مصروف ہو جانا چاہئے۔

اِسی بنا پر آپ یہ کہہ لیجئے کہ حسرت موہانی بے وقت کی راگنی تھے ایک سنی سنائی

بات آپ بھی سن لیجیے۔ (کہا جاتا ہے کہ آزادی کے بعد بھارت کے صدر مولانا حسرت سے ملنے ان کے گھر گئے۔ پتہ چلا کہ مولانا پانی بھرنے گئے ہیں۔ جناب صدر کے اے ڈی سی نے پانی کے نل پر جہاں مولانا پانی بھرنے کے لیے قطار میں کھڑے تھے جناب صدر کا پیغام دیا تو مولانا نے جواب دیا۔ ان سے کہیے انتظار کریں۔ میں پانی بھر کر آتا ہوں اے ڈی سی نے اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کیں تو مولانا بولے ''جی نہیں' میں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں''۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ جناب صدر مولانا سے ملنا چاہتے ہیں اور وہ خود پانی بھرنے پر بضد ہیں تو اپنے اپنے گھڑے بالٹیاں ہٹا لیں اور مولانا سے کہا کہ آپ پہلے پانی بھر لیں مگر مولانا اپنی ہٹ کے پکے تھے بولے ''جی نہیں میں تو اپنی باری سے بھروں گا'' اب ایسے میں کہ باری کا تصور محض کھیلوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ زندگی میں کہیں نظر نہیں آتا' حسرت موہانی کو بے وقت کی راگنی نہ کہیے تو کیا کہیے۔)

خدا جانے کیوں جب میں حسرت موہانی کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے حضرت امیر خسرو یاد آ جاتے ہیں۔ ان دونوں کرداروں میں بہت سی مماثلتیں ہیں۔ دونوں اپنے عہد کی سیاست سے بھرپور طور پر وابستہ تھے۔ سیاسی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ دونوں کا تصوف سے گہرا ربط تھا۔ دونوں شاعر تھے اور دونوں مکمل منظم اور ہم آہنگ ذات کے حامل تھے۔ فرق ہے تو یہ کہ حضرت امیر خسرو ایک ابھرتی ہوئی تہذیب کے ابھرتے ہوئے سورج تھے۔ جس نے بہت روشنی پھیلائی اور مولانا حسرت موہانی اسی تہذیب کے ڈوبتے ہوئے سورج تھے جس نے خود کو ختم کر لیا مگر اردگرد کی فضا کو گلنار بنا دیا۔ ایک تہذیبی سفر ہے جو امیر خسرو سے شروع ہو کر مولانا حسرت موہانی پر ختم ہو گیا ہے۔ اس تہذیبی سفر کا حاصل جو اقدار اور رویے ہیں انہیں ہمارے عہد کا کندھا مار کر آگے بڑھنے والا اور کامیابی حاصل کرنے والا آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ تاہم ان اقدار اور رویوں کو سمجھے بغیر ہم اس ہمہ جہتی تخلیقی زندگی کا راز سمجھ نہیں سکتے جس کا امیر خسرو اور حسرت موہانی دونوں استعارہ ہیں۔ نہ ہی ہم آج کے دور کی سطحیت اور بنجرپن کے

اسباب کی شناخت کر سکتے ہیں- یہ اقدار اور رویے کیا ہیں اور ان کے سوتے کہاں سے پھوٹتے ہیں مولانا حسرت سے پوچھیے:

مرا ایماں عجب کیا ہے جو ایمان تصوف ہے
تصوف جان مذہب' عاشقی جان تصوف ہے

اور اب جب کہ مذہب کی جان تصوف اور تصوف کی جان عاشقی ہے تو عاشقی کا حاصل کیا ہے؟

ہے عشق میں حال کی خرابی
عاشق کو نوید کامیابی

ملاحظہ فرمایا آپ نے حسرت موہانی کا تصور کامیابی ------ اب ایک تکلیف اور کیجئے ذرا کامیابی کے اس تصور کا ڈپٹی نذیر احمد کی کامیابی کے تصور سے موازنہ کیجئے پھر اس بات پر غور کیجئے کہ کیا "کامیابی" کے یہ دونوں تصورات ایک ہی فلسفہ حیات اور طرز زیست سے پیدا ہو سکتے ہیں؟ عاشقی کا رویہ اپنا حال خراب کرنے کا رویہ ہے مگر دوسروں کا حال خراب کرنے کا رویہ؟ آج کی زبان میں اسے استحصال کہہ لیجئے- اہل تصوف اور مولانا حسرت کی زبان میں اسے ہوس کہتے ہیں- اس کے ساتھ ہی ایک "آپس کی بات" اور سن لیجئے- آج ہمارا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے بچے بچیوں کو اردو غزل کیسے پڑھائیں- عشق و عاشقی ہمارے لیے شرمانے لجانے کی بات بن چکی ہے- میر تقی میر کے جیسے بزرگ اب کہاں کہ بیٹے کو عشق کرنے کی وصیت کر جائیں- ڈپٹی نذیر احمد کے ہیرو نصوح نے اپنی بیوی کو ایک بچی کی پیدائش کے بعد شیخ سعدیؒ کی گلستان پڑھانی شروع کی تو بر بنائے شرم و حیا آدھی گلستان قلم زد کر دی اور یہ دعویٰ کیا کہ محلے کی اور بہو بیٹی مجھ سے پڑھتی تو تین چوتھائی گلستان قلم زد کر دیتا ------- یہ ہے اخلاقیات کا وہ نیا تصور جو 1857ء کے بعد ہوا جس کے مطابق مولوی نذیر احمد معلم اخلاق اور شیخ سعدی مخرب اخلاق ٹھہرے- اہل مدرسہ میں اخلاقیات کا یہ نیا تصور پھیلتا جا رہا ہے- نصاب کے لیے ایسی غزلوں کی تلاش کی جاتی ہے جس میں عشق و عاشقی کی

باتیں نہ ہوں۔ یہ ایک ایسے جسم کی تلاش کے مترادف ہے جس میں ریڑھ کی ہڈی نہ ہو۔ حیدر بخش حیدری اور میر امن پر فحش نگاری کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور یوں خلوت و جلوت میں متضاد کام کرنے والے اخلاقیات کے نام پر اعلیٰ قدری رویوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ اس لیے کہ استحصال اور ہوس عاشقی کی نفی نہیں ہے کہ چاہیں تو عاشق بنیں نہ چاہیں تو نہ بنیں یہ تو آپ کی مجبوری ہے یا تو آپ عاشق ہوں گے اور اگر عاشق نہیں تو اہل ہوس اور استحصال کرنے والوں میں ہوں گے۔

مولانا حسرت موہانی عاشق تھے۔ عشق میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے یہی عشق ان کی آزادی تھا اور یہی ان کی پابندی:

شاہ جنوں نے خلعت آزادی دیا
زنداں میں ہیں خیال کا صحرا بنے ہوئے

○

قید مذہب سے بھی کچھ بڑھ کے ہے قید غم عشق
حسرت آزاد ہے کہنے ہی کو' آزاد نہیں

اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ:

شوق جنت سے ہیں فارغ' عاشقان کوئے یار
پوچھ دیکھے کوئی ہم افتادگان خاک سے

اردو تنقید حسرت کے بارے میں میں دور کی کوڑی یہ لائی ہے کہ حسرت کے عشق کو "صحت مند آدمی کا عشق" اور حسرت کی غزل کو "جنسی جذبے میں تغزل کی کمال بینی" بتایا۔ یہ بھی دراصل عشق سے خوف کا ہی نتیجہ ہے۔ عشق کی بنیاد تصوف پر تھی لہذا پہلے تو تصوف کو شاعری کے لیے آلودگی قرار دیا گیا اور اگر کہیں کچھ داغ دھبے نظر آئے تو انہیں مادیت کے "صابن" یا جنس کے "پٹرول" سے دھونے کی کوشش کی گئی اور اب جب کہ شاعر جنسی جذبے کے سامنے کھڑا ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ "میاں اس میں تغزل کی کمال بینی پیدا کرو" یا یہ کہ "عشق تو کرو لیکن صحت مند

آدمی کا" یعنی یہ کہ سب کام چوری چھپے۔ لہٰذا موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جو شخص میر کے عہد میں سینہ ٹھوک کے عشق کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ:

جب سے آنکھ لڑی اس مہ سے رنگ مرا مہتابی ہے

آج اپنے جنسی جذبات سے شرمایا شرمایا پھرتا ہے۔ مگر حسرت موہانی' امیر خسرو اور میر تقی میر کے سلسلے کے آدمی تھے' ان کے لیے عشق پوری زندگی کا معاملہ اور پوری زندگی کا رویہ تھا۔ یوں کہیے کہ ان کی زندگی میں تھا کہ اگر عشق پوری زندگی پر حاوی نہ ہو' اس میں جاری و ساری نہ ہو تو ہوس بن جاتا ہے۔ عاشق کا رویہ اپنانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں کہ بقول حسرت اس کو اپنانے کے لیے خود کو بگاڑنا پڑتا ہے:

تجھ سے یاد تیری محبت سے اسے کیا سروکار
دل جو ناکام نہیں روح جو ناشاد نہیں

یہی ناکامی و ناشادی حسرت کی عاشقی ہے اور یہی ان کا ایمان ہے۔ اور ایمان کے معنی مکمل اور منظم ذات رکھنے کے ہیں۔ جس کی غیر موجودگی میں آدمی اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ اس عاشقی کا استحکام ہمہ وقت حسن کے مشاہدے اور حسن کی گواہی دینے میں ہے:

حسن کے ہم ہلاک دید بھی ہیں
یعنی شاہد بھی ہیں شہید بھی ہیں

حسن کا یہ مشاہدہ صرف باہر ہی نہیں ہوتا' اندر بھی ہوتا ہے:

اور ایسے کہاں حیرت و حسرت کے مرقعے
اے دل جو ترے آئینہ خانے میں لگے ہیں

Impotence Pain

جس طرح عشق پوری زندگی پر محیط ہے اسی طرح حسن بھی پوری زندگی میں جاری و ساری ہے۔ حسن نام ہے حقیقت کا' نیکی کا' اعتدال کا' توازن کا' تناسب کا ------- جس کی پہچان محض عاشق کو ہی ہو سکتی ہے ہوس کار کو نہیں۔ جس طرح استحصالی طبقہ کسی نظام عدل کی گواہی نہیں دے سکتا اسی طرح اہل ہوس حسن کی گواہی

نہیں دے سکتے۔ اصل میں ایک ہی بات دو مختلف طریقوں سے کہہ رہا ہوں۔ میرے نزدیک معاشرے میں نظام عدل قائم کرنے والے اور عاشق ایک ہی شخص کے دو نام ہیں البتہ یہ کہ عاشق زندگی کی زیادہ جہتوں اور سطحوں پر محیط ہوتا ہے۔

عاشقی کا رویہ یا بالفاظ دیگر وہ رویے جو حسرت موہانی کی زندگی کا اظہار تھے محض خواہش سے پیدا نہیں ہوتے۔ ایک عمر کی جدوجہد اور تنظیم ذات کی مسلسل کوششوں کا حاصل ہوتے ہیں۔ یہ دوسروں کو مارنے سے نہیں خود اپنے آپ کو مارنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ عاشقی دوسروں سے محبت اور خود اپنی ذات سے مسلسل جنگ کا نام ہے اور اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے تو یہ بھی سمجھ میں آ جائے گا کہ معاشرہ عشق سے خائف کیوں ہے؟ اسی حوالے سے آپ ارد گرد کے انتشار اور خلفشار کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ مان لیں کہ عاشقی زندگی کو کچھ دینے کا نام ہے اس سے چھیننے کا نہیں تو آپ یہ بھی جان لیں گے کہ مختلف طریقوں سے زندگی کا رس نچوڑنے والے بزرگی اور ہمہ وقت دست طلب دراز رکھنے والے خود کن رویوں کے حامل ہیں؟ عشق کا نام سن کر لجانا اور شرمانا اور راہ چلتی لڑکیوں پر فقرے چست کرنا کس مرض کی علامت ہے؟ تشدد کا برملا اظہار اور اس کی صحافتی سنسنی خیزی سے لطف اندوز ہونا کس قسم کے ذہن کی نشان دہی کرتا ہے؟ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ بھاگ دوڑ اور بے صبری' بلامحنت و کاوش کامیاب ہونے کی خواہش' ہر امتحان سے خواہ وہ کالج کا ہو یا زندگی کا' طلب کرنے میں فعال اور متحرک اور ذاتی مفادات کی قربانی میں پس و پیش' کن رویوں کی علامتیں ہیں؟

ایک جملے میں یوں کہہ لیجیے کہ یہ منفی رویے ہمارے عہد کی انا پرستی اور خود غرضی کے پیدا کردہ ہیں۔ ایسی صورت میں مولانا حسرت موہانی کی زندگی اور ان کی شاعری ہمارے عصری رویوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ زندگی اور شاعری نفی انا اور عشق کے رویوں سے پیدا ہوئی ہے۔ ہمارے عہد کی ساری بدنظمی' انا پرستی اور خود غرضی کا حاصل ہے۔ ہماری زندگی جن تضادات کا نمونہ ہے وہ حسرت کے

یہاں نہیں ملتے۔ ان کے مذہبی معتقدات ان کے سیاسی و معاشرتی رویے' ان کی روشن خیالی' اقتصادی نظام' عدل میں ان کا یقین یہ سب ایک ہی "کل" کے مختلف اجزا ہیں۔ ان کے یہاں معاملات عشق اور معاملات سیاست میں دوئی نہیں ہے۔ وجود کی وحدت بھی ہے اور عمل کی بھی۔ عشق' قربانی اور جہاد کے وہ رویے (اور یہ تینوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں) جن کی بنیاد پر ہند مسلم تہذیب کا تشخص ہو سکتا ہے' حسرت موہانی کے تشخص کی بھی بنیاد ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حسرت بھی ہند مسلم تہذیب کا استعارہ اور اس کا ست ہیں۔

روایت کی پاسداری' کلاسیکی رویوں اور وضعوں کی پیروی' ان کی زندگی اور ادیب دونوں میں نمایاں خصوصیات ہیں۔ "پیروی" زندگی اور ادب دونوں میں کلاسیکی اصول ہے۔ (تصوف کا اصول بھی یہی ہے) اس کے حوالے سے بھی آدمی اپنی موجود شخصیت اور انا کی نفی کرتا ہے یعنی ذات کا دائرہ وسیع کرتا ہے۔ حسرت نے اردوئے معلیٰ میں اساتذہ کے کلام کا انتخاب شائع کر کے اردو کی کلاسیکی غزل کو خود میں جذب کر لیا تھا۔ ان غزلوں میں جن قدروں اور اعلیٰ رویوں کا اظہار ملتا ہے وہ ان کی ذات کا حصہ بن گئے۔ مختلف شاعروں کے اثرات ان کی غزلوں میں نمایاں ہیں۔ اردو تنقید اثر پذیری کی صفت کو بھی خرابی پر محمول کرتی ہے۔ مصحفی کو اسی بنا پر رد کیا گیا ہے۔ اسے دوسرے درجے کا شاعر تک کہہ دیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ انا پرست رومانی ذہن نہ اثرات قبول کرنے کا اہل ہوتا ہے اور نہ اسے اچھی بات سمجھتا ہے اس لیے کہ وہ خود کو اندر سے تبدیل ہی نہیں کرنا چاہتا۔

اب میں خود پر نظر ثانی کر چکا۔ آپ نے حسرت کی اثر انگیزی اور لذیذ غزلیں پہلے ہی سے سن رکھی ہیں۔ میں آپ کے سامنے دو ایسی غزلیں پیش کرتا ہوں جن میں زندگی کے قدری رویوں کا اظہار ہے:

احباب سے مخصوص نہ اغیار پہ موقوف
عیش دو جہاں ہے کرم یار پہ موقوف

کر سکتے ہیں خاموش بھی ہم دین کی خدمت
یعنی یہ نہیں شورش اخبار پہ موقوف
قوموں کی ترقی کے ہیں کچھ اور ہی اسباب
جو ڈاک پہ موقوف نہ ہیں تار پہ موقوف
ایسا تو نہیں ہے کہ عنایت ہو خدا کی
زاہد کے اسی جبہ و دستار پہ موقوف
لطف و کرم یار پہ یا جور و جفا پر
ہے فیصلہ دل انہیں دو چار پہ موقوف
منصور کی سولی پہ نمایاں ہوئی عظمت
ہے طنطنہ اہل رضا دار پہ موقوف
قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ
اقوام میں افراد کے ایثار پہ موقوف
کیا چیز تھی غم جاناں کی فراغت
جس کا ہے بیاں میرے دل زار پہ موقوف

---

ایمان و اتقا ہی نہیں شان اولیاء
بے حزن و خوف غیر بھی ہے جان اولیاء
اسلام بے مثال ہے اسلام عاشقاں
ایمان بے نظیر ہے ایمان اولیاء
اسلام عاشقاں کی اگر ہے طلب تجھے
اے دل بگیر دامن سلطان ، اولیاء
آئی ہوئی رضائے الٰہی کی ہے برات
سب کربلا میں جمع ہیں مہمان اولیاء

گلگوں لباس خون شہادت پہن کے آج
دولہا بنے گا وہ شہہ خوبان اولیاء
روشن ہے نور صبح و سکون بے سواد شام
تاباں ہے صبح عشق درخشان اولیاء
زنجیر و طوق ظلم کا عابد کو غم نہیں
ہم رنگ بزم عشق ہے زندان اولیاء
صبر و صلواۃ عشق سے ہیں سب کے دل قوی
ثابت قدم ہیں سارے مریدان اولیاء
حسرت حسین ابن علی کا ہوں میں غلام
حاصل ہے مجھ کو فضل نمایان اولیاء

اب اگر ان غزلوں نے آپ کی انا کو ٹھیس پہنچائی ہو یا کسی اور طرح آپ کے لیے چیلنج کا باعث بنی ہوں تو میں آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ البتہ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان لوگوں سے کیا کہوں جو حسرت موہانی اور ڈپٹی نذیر احمد دونوں کو بیک وقت ہضم کر لیتے ہیں اور پیٹ میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے۔

سجاد باقر رضوی

# حسرت کی معنویت

حسرت موہانی کی شاعری پڑھنے والوں کے لیے جتنی دل آویز ہے' تنقید نگاروں کے لیے اتنی ہی گمراہ کن ہے۔ ایک تو حسرت نے خود ہی یہ کہہ کر تنقید نگاروں کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جس کی کوئی منزل نہیں۔

طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

اب تنقید نگار ہیں کہ ان کے ہاں مختلف رنگ سخن تلاش کرتے ہیں اور حاصل تنقید وہی پاتے ہی جو پولیس کی تفتیش کا ہو سکتا ہے۔ تنقید نگار ہیں کہ انہیں ذاتی رنگ سے محروم ٹھہرا رہے ہیں۔ اس کے باوجود حسرت کی شاعری کو پسند کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پسند یا ناپسند راہ تو کم دکھاتی ہے گمراہ زیادہ کرتی ہے۔ نتیجہ کبھی کبھی یہ نکلتا ہے کہ تنقید نگار یہ کہہ کر اٹھتے ہیں:

"حسرت عظیم شاعروں میں سے ہیں۔ انہیں اچھا شاعر کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا"

کبھی کبھی مجنوں گورکھپوری جیسے نقاد یہ کہہ دیتے ہیں کہ:

"حسرت سے اردو شاعری میں نئے دور کی نفسیات شروع ہوتی ہے۔ ان کی غزلیں پڑھ کر ہم کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اندر ایک نیا شعور جاگ رہا ہے"

بعض نقاد یہ کہہ اٹھتے ہیں:

"حسرت نے پہلی بار غزل کو سچ بولنا سکھایا"

حالانکہ اردو غزل تو روز اول سے سچ بولتی رہی ہے۔ بڑے شاعر تو ایک طرف رہے داغ جیسے شعراء کے ہاں بھی سچ کا پلڑا بھاری دکھائی دیتا ہے۔

بعض نقادان ادب ہر استاد سے فیض اٹھانے کے رویے کو کلاسیکی رویہ قرار دیتے ہیں

اور اسی میں حسرت کی عظمت تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ کلاسیک' روایت کی نقل سے کچھ زیادہ ہی نہیں' کہیں زیادہ ہے۔ نقادان ادب کی ان آراء سے بحث کی شاید ضرورت نہیں' نہ ہی ان بحثوں میں حسرت کی معنویت کی دریافت ممکن ہے۔ لہٰذا ان بحثوں یا دعاوی سے صرف نظر کرتے ہوئے حسرت کی معنویت کی دریافت کرنا ہوگی۔ حسرت نے اپنے مضامین کی ایک تقسیم تو خود ہی کی ہے۔ ایک تقسیم خلیل الرحمن اعظمی نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حسرت کے یہاں تین موضوع ملتے ہیں' عشق' تصوف اور سیاست۔"

اس میں فاسقانہ کا اضافہ کر لیا جائے تو حسرت کے مضامین کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فاسقانہ شاعری کو کلام حسرت سے منہا کر دیا جائے تو حسرت سے بھی زیادتی ہے اور اردو شاعری سے بھی۔ حسرت کی شاعری میں سیاسی شاعری تو بس تبرک ہی ہے۔ اسے شاید اسی لیے پڑھا جاتا ہے کہ یہ حسرت کی شاعری ہے' کیونکہ ان کی سیاسی شاعری اس درجے کی ہے:

لازم ہے یہاں غلبہ آئین سُوویت
دوچار برس میں ہو کہ دس بیس برس میں

حسرت کی عاشقانہ' متصوفانہ اور اور فاسقانہ شاعری کو کسی طور پر بھی نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ اسے عظیم شاعری کہنا بھی ممکن نہیں۔ دراصل حسرت اور اس کی شاعری کو عظیم تو کیا Major بھی نہیں کہا جاسکتا۔ انہیں جدید غزل کا بانی قرار دینا تو غزل سے بھی زیادتی ہے اور جدید سے بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ کلاسیک بننے اور کلاسیکی ہونے میں جو فرق ہے وہی حسرت کی شاعری اور عظیم شاعری میں ہو سکتا ہے۔ حسرت نے کلاسیکی بننے کے لیے ہر استاد سے فیض اٹھایا' مگر وہ ان اساتذہ کے فیض کی تالیف نہ کر سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً" ایک نئی' توانا اور منفرد آواز پیدا ہو جاتی۔ ایسی بڑی فنکاری سے یقیناً" عظمت جنم لے سکتی ہے۔ کلاسیکی بننے کے لیے اساتذہ کی آواز میں آواز میں ملانا کافی نہیں ہوتا اس آواز کو

تاریخی شعور سے قبول کرنا ضروری ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ قدیم آواز اور جدید عہد کے طرز احساس تالیف (Synthesis) کرنے سے کلاسیک جنم لیتی ہے۔

دیکھنے کو تو حسرت کے ہاں غزل کے روایتی موضوع عشق اور تصوف دونوں مل جاتے ہیں۔ عہد جدید کا موضوع سیاست بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باوجود وہ عظمت سے محروم رہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عظیم شاعری میں مختلف موضوعات کی میکانکی یکجائی نہیں ہوتی کیمیائی ترکیب ہوتی ہے۔ یہی کیمیائی ترکیب کسی شاعر کو عظمت دے سکتی ہے۔ مختلف مضامین الگ الگ رہتے ہوئے کسی کو عظمت نہیں دے سکتے' یکجا ہو کر' اک مک ہو کر عظمت کے حامل بنتے ہیں۔ ایسی صورت میں عشق سیاست بن جاتا ہے اور سیاست عشق ہو جاتی ہے۔ اگر حسرت کے ہاں ایسا ہو جاتا تو وہ فیض کے درجے کو چھو سکتے تھے اور جدید غزل کے بانی بن سکتے تھے۔

حسرت کے ہاں عشق کا موضوع غالب ہے اور یہ کوئی چھوٹا موٹا موضوع نہیں یہ تو خود ایک کائنات ہے' مگر حسرت نے اس کائنات کے ان دیکھے منطقے دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ عشق کی حیاتیات' سماجیات اور روحانیات میں ایک دنیا دکھائی دیتی ہے۔ اس قطرے میں کتنے ہی دجلے متحرک نظر آتے ہیں۔ حسرت نے اس دنیا کے بہت کم امکانات کو دریافت کیا اور یہی ان کی منزل تھی۔ یہی منزل ہر نوجوان کا مقدر بھی ہوتی ہے اور مقصد بھی۔ یہی ان کی مقبولیت کا سبب ہے اور یہی ان کی مقبولیت کا راز ہے۔

عموماً" مقبولیت اور دلنوازی کی ایک خاص عمر ہوتی ہے۔ یہ عمر پا کر اختر شیرانی دنیا سے چل بسے' عدم قصہ پارینہ ہو گئے۔ اور بہت سے بہت جلد اپنی منزل کو پاتے نظر آتے ہیں۔ حسرت نے طویل عمر پائی ہے۔ وہ اب بھی مقبول ہیں۔ اسُ کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کی شاعری میں وہ ربط اور عمق ہے کہ معانی کے نئے پرت اور مفاہیم کے نئے منطقے سامنے آکر ان کو حیات نو دے رہے ہیں۔ ان کی شاعری پڑھتے ہی مفہوم دماغ میں اور شعر دل میں اتر جاتا ہے۔ دلنوازی اور دلداری کی وجہ وہ غزلیں نہیں ہیں جن

پر نظمیت کا گمان ہوتا ہے' بلکہ وہ شعر اور غزلیں ہیں جنہیں ہر لحاظ سے شعر اور غزل کا شعر کہا جا سکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے عشق کے بیان میں مہذب رویہ اپنایا۔ نہ وہ عیاش اور اوباش تھے نہ ان کی شاعری۔ انہوں نے ماضی سے تہذیب نفس بھی سیکھی تھی اور سلیقہ اظہار بھی۔ جس کا ثبوت یہ شعر ہیں:

خود بخود بوئے یار پھیل گئی
کوئی منت کش صبا نہ ہوا

○

کہاں سے آئی خدا جانے زلف یار کی بو
کچھ امتیاز نسیم وشمال ہو نہ سکا

○

ہوس انگیز تمنا ہے لب یار کا رنگ
روشنی بخش نظر ہے مئے گلنار کی بو

○

اک بار بس گیا جو کہیں ان کی باس میں
خوشبوئے حسن برسوں رہی اس لباس میں

○

محتاج بوئے عطر نہ تھا جسم خوب یار
خوشبوئے دلبری تھی جو اس پیرہن میں تھی

یہاں کچھ اس قسم قسم کے اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے جہاں بھٹکنے اور جنس کی دلدل میں پھنس جانے کے امکانات تھے' مگر حسرت ان سے دامن بچا گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حسرت کے ہاں فراق کے علاوہ وصال کی کیفیت بھی عام ہے۔ فراق میں یہ امکان غالب ہوتا ہے کہ شاعر اپنے آپ کو پالے' مگر وصال میں یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ شاعر اپنا چہرہ بگاڑ بیٹھے۔ Tragedy میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ

فنکار اپنے آپ کو پا سکتا ہے' مگر Comedy کا کلاؤن اپنا چہرہ بگاڑ بیٹھتا ہے یا گم کر بیٹھتا ہے۔ فراق میں تو وہ اپنے باطن کو کھوجتا ہے جبکہ وصال میں وہ اپنے چہرے پر ایسا Persona چسپاں کرنے کی کوشش کرتا ہے جو محبوب کو پسند ہو۔ یعنی دوسروں کی پسند کا Persona- ایسا کرنے میں گمراہی کا راستہ کھلا ہوتا ہے۔ وہ اپنا چہرہ بگاڑ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ Persona ہی اس کا چہرہ بن جائے اور عین ممکن ہے کہ اس کا چہرہ ہی ٹوٹ پھوٹ کر اس Persona کے مطابق ڈھل جائے۔ دونوں صورتوں میں اپنے چہرے سے محرومی کا خطرہ پنہاں ہوتا ہے۔ حسرت کی کامیابی یہ ہے کہ اس نے اپنا چہرہ بچا لیا ہے۔ وہ self تو دریافت نہ کر سکا' مگر اپنا چہرہ بھی گم کرنے سے محفوظ رہا۔ یہی حسرت کی شاعری کا جواز ہے:

چھیڑتی ہے مجھے بے باکی خواہش کیا کیا
جب کبھی ہاتھ وہ پابند حنا ہوتے ہیں

○

گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی
میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

○

اس حیلہ جو نے وصل کی شب ہم سے روٹھ کر
نیرنگ روزگار دو عالم دکھا دیا

○

جلوہ یار ہے دلوں کے لیے
فی المثل اک طلسم ہوشربا

○

تھی راحت حیرت کی کس درجہ فراوانی
ہم نے غم ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی

حسرت نہ تو جلوہ یار کے طلسم ہوشربا سے نکل سکے نہ نکلنا چاہتے تھے۔ انہوں نے غم ہستی کی صورت بھی یقیناً" نہیں پہچانی' لیکن جوش آرزو کی کیفیتوں میں انہوں نے Persona بدلنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ ایک ہی چہرہ رکھتے تھے۔ یہی چہرہ محفوظ رہا اور ان کی شاعری کو مقبول شاعری کے دفتر میں محفوظ کر لیا گیا۔

پروفیسر امجد علی شاکر

# تنویر عباس نقوی؟؟؟

عہد ساز ادیب منٹو پر "الزام" تھا کہ وہ اپنے قلم سے چونکا دیتا ہے......
ہمارے ایک سائیکاٹرسٹ دوست کا کہنا ہے کہ انسان اُس وقت چونکتا ہے جب اسے کوئی نئ شے دکھائی دیتی ہے، نئ معلومات ملتی ہیں یا نیا خیال سُوجھتا ہے.......!

میں سمجھتا ہوں "نیا پن" محسوس کرنے کے لئے تھوڑا سا "معصوم" ہونا ضروری ہے...... کیا ہم معصوم رہ گئے ہیں؟؟

ہم تو شُتر بے مہار "ترقی" اور "کمیونیکیشن" کے مارے ہُوئے لوگ ہیں۔ اب کچُھ بھی ہو جائے ہم چونکنا تو کجُا سوچتے بھی نہیں..... سوچ کی کمیابی اور محسوسات کی نایابی کے اس دَور میں کچھ بھی نیا نہیں رہ گیا۔

بونوں کے اس معاشرے میں منٹو جیسے قد آور شخص کی توقع کرنا یقیناً" دیوانے کا ہی خواب ہو سکتا ہے۔

مگر ایسے میں، کہ جب سبھی کچھ تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے، محاورے بھی تبدیل ہو رہے ہیں، اب دیوانے محض خواب ہی نہیں دیکھتے بلکہ اپنے عمل سے "بے حِس" لوگوں کو بھی حیران کر دیتے ہیں۔

اور تنویر عباس نقوی بھی ایسا ہی دیوانہ ہے جسے نئ طرحیں نکالنے اور نئے نکات اُٹھانے کا شوق ہے۔

اصل میں تنویر عباس نقوی ایک "ترقی پسند" دیوانہ ہے جس نے نو عُمری میں ہی شعر و ادب اور صحافت کے میدانوں میں قابلِ ذکر کامیابی حاصل کی ہے۔

غالباً" اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تنویر ہمیشہ سے اپنا موازنہ آدم زادوں کے سُرخیلوں یعنی عظیم انسانوں سے کرنے کا عادی ہے۔ وہ ماضی کے کسی بھی بڑے انسان کے بارے میں یُوں بات کرتا ہے گویا وہ اس کا ہم عصر ہی ہے........ تنویر کا اپنا شعر ہے

آدمی سے میں تو اُوپر ہو گیا ہوں
یعنی انساں کے برابر ہو گیا ہوں!

زیرِ نظر انتخاب میں اہل عِلم و فضل کے سینوں کو گرمانے اور سامانِ طرب بہم پہنچانے کا وافر مَواد موجود ہے۔ چُونکہ مرتّب نے محض "مرتّبانہ" نہیں بلکہ محققانہ اندازِ فکر اور حسرت موہانی کی شخصیت اور فن کے بارے نئے نکات اُٹھانے کا رویہ اپنایا ہے جس کا اندازہ مرتّب کے اپنے مضمون سے لگایا جا سکتا ہے' وہ لکھتا ہے:

"....... حاصلِ کلام یہ ہوا کہ میں نہ صرف حسرت موہانی کے حوالے سے' Translated اصولِ نقد و نظر سے انکاری ہوں بلکہ سرزمین پاک و ہند پر' ماسوائے ترقی پسندوں کی تحریک کے' کسی کلاسیکی یا رُومانی تحریک کے وجود کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں!!"

حسرت موہانی کے منتخب کلام سے حظ اٹھانے والے وہ حضرات یقیناً" یہاں پر ٹھٹھکیں گے' جو حسرت کو محض ایک رُومانی شاعر' حُسن پرست یا عاشق وغیرہ ہی سمجھتے ہیں...... میرے نزدیک یہی تنویر کا حاصل محنت ہو گا۔

ذاتی طور پر تو مجھے بھی تنویر کی مذکورہ بالا رائے نے چونکا دیا ہے کہ اس جیسا حسن و عشق پسند کیونکر رُومانی یا کلاسیکی روایات و تحاریک سے انکاری ہو سکتا ہے........!!

قارئین کرام! میں جہاں چونک جاؤں وہاں مزید نہیں بولا کرتا بلکہ سوچنا شروع کرتا ہوں' آپ بھی تنویر عباس نقوی کی اِس کاوش سے لطف لیجئے اور اس کے اٹھائے ہوئے نکات پر سوچئے........!

ساجد گل

# حسرت موہانی۔۔۔۔۔ کلاسیکی یا رومانوی؟

اردو ادب میں آسکروائلڈ کے نظریہ فن یعنی Art for the sake of art کے پیروکاروں کی تعداد تقریباً" نہ ہونے کے برابر ہے۔۔۔۔ اگر تلاشنے پر دوچار نام مل بھی جائیں (یا بہت سے بزعم خود ادیب' شاعر جنہیں ادب برائے ادب تخلیق کرنے کا دعوی رہا ہے) تو انہیں آسکر وائلڈ یا اس سکول آف تھاٹ سے کلی طور پر متفق قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ ممکن نہیں۔۔۔۔ کہ برصغیر پاک و ہند میں محض تفریح طبع کے لیے ادب تخلیق کرنے کا ماحول نہ رہا ہو۔۔۔ یا اس سر زمین پر صنمیات' تجلیات' جمالیات اور ما بعد الطبیعیات کے حوالے سے مواد کی کمی رہی ہو۔۔۔ یا یہاں زندگی کی تلخیوں سے فراریت اور رومانیت پسندی کا رجحان نہ رہا ہو۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں' ادب برائے ادب کی تخلیق کے جتنے موزوں و مناسب حالات رہے ہیں' شاید پورے یورپ و امریکہ میں میسر نہ ہوں۔

اگر یہاں خالص حالت (Pure form) میں ادب برائے ادب کا غلغلہ نظر نہیں آتا تو اس کی دوسری کوئی بھی وجہ ہو' پہلی وجہ یہ ہے کہ سر زمین ہندوستان (پاک و ہند) فاتحین اور مفتوحین کی سر زمین ہے۔۔۔ یہاں دیس دیس سے آنے والے' ڈاکو لٹیرے' تاجر اور مذہبی پیشوا اپنا کلچر ساتھ لے کر آتے تھے جو یہاں کے کلچر سے مل کر ایسا Multi color ہو جاتا تھا کہ اس میں سے تہذیب اور تمدن کے سوتے پھوٹنے لگتے تھے۔ ایسے حالات میں محض ادبیات کا فروغ خام خیالی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ حاکموں اور محکوموں کی معاشرت اور جمالیات سے (ادب میں جس قدر بھی لا یعنیت اور بے

مقصدیت بھر جائے)' معروضیت (Objectivity) اشارت اور بغاوت کے عناصر عنقا نہیں کیے جا سکتے۔

کہ ایسے معاشروں کی سماجی نفسیات اور معاشیات حتیٰ کہ وہاں کے مذاہب سے بھی معاشرے کے حساس افراد' ایک حد سے زیادہ لا تعلق رہ نہیں سکتے۔۔۔

یہاں کے سماجی' معاشی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے ہی' سرزمین ہندوستان پر کسی باقاعدہ کلاسیکی یا رومانوی تحریک کے اثرات کا جائزہ لینا ممکن نہیں رہا۔

کسی تحریک کی ابتداء کے لیے جس باقاعدہ نظام کی ضرورت ہوتی ہے' یہاں رائج نہیں رہا۔ سوائے ترقی پسند تحریک کے' جو ایک باقاعدہ نظام کے تحت وجود میں آئی اور ایک مخصوص نظریے کو لے کر آگے بڑھی۔

_____ کلاسیکی اور رومانوی تحریکوں کی اصطلاحیں استعمال کرنے والے نقادان ادب' اس حقیقت سے یقیناً" واقف ہوں گے کہ اردو ادب میں کسی بھی دور کے شاعر یا ادیب (ناول نگار' یا افسانہ نگار) کو صحیح معنوں میں' کلاسیکیت اور رومانیت کے سانچوں میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔

کیا میر تقی میر کو محض کلاسیکی شاعر کہا جا سکتا ہے؟۔۔ ان کی یاسیت' نا امیدی' آہ وبکاہ' آہا ہا کاری اور تخیلاتی پرواز کو کس کھاتے میں ڈالا جائے؟

کیا غالب کلاسیکی شاعری کے معیار پر پورا اترتے ہیں؟۔۔۔ ان کی رومانوی بغاوت' خودی وانا' نرگسیت اور "غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں" کا خیال کس شمار میں ہو گا؟_____

کیا ٹیگور' ابوالکلام آزاد' یا اقبال پر رومانویت پسندی کا "غلاف" چڑھایا جا سکتا ہے؟۔۔ ان کا مجسم عشق' قوت کاملہ اور سماجی قدروں کی ٹوٹ پھوٹ "رومانویت" کہلائے گی؟_____

صحیح معنوں میں ترقی پسند ادیبوں' شاعروں اور افسانہ نگاروں کی تخلیقات کو بھی ان "نام نہاد" کلاسیکی یا' رومانوی اثرات سے الگ کر کے نہیں پرکھا جا سکتا

اس موضوع پر "نقلو نقلی" اتنی زیادہ مغزماری ہو چکی ہے کہ اس حوالے سے' حسرت کی کسی نئی جہت پر بات کرنا ممکن ہی نہیں رہا----- میرے نقطہ نظر سے' حسرت نہ تو کلاسیکی ہیں اور نہ ہی رومانوی----- (یعنی انگریزی ادب کی کلاسیکی اور رومانوی تحریکوں کے معیار پر انہیں کلاسیکل یا رومانٹک ثابت نہیں کیا جا سکتا)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فاتحین اور مفتوحین کی سرزمین پر کسی "منظم تحریک" کے ذریعے کوئی تخلیقی کام ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسی سرزمینوں سے یا تو قصیدے پھوٹتے ہیں یا مرثیے اور نوحے۔ اردو غزل سے قصیدے' مرثیے اور نوحے کے عناصر منہا کر دیئے جائیں تو پیچھے صرف Mental Masterbation بچتی ہے۔

اردو غزل کا یہ پلس پوائنٹ ہے کہ مردم بیزار شاعروں سے رنڈی باز شاعروں تک کوئی بھی سماجیات کے "اصل ایشو" سے دامن نہیں بچا سکا--- اور کوئی بھی کیٹس (Keats) کی طرح محض "A thing of Beauty is a joy forever" کا الاپ نہیں کرتا رہا۔

ہر دور میں سماج کے دکھ کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ ولی دکنی نے اسے اپنے انداز میں کیا۔ میر تقی میر اور غالب نے اپنے---- حتیٰ کہ داغ جیسا کل وقتی عاشق بھی سماج سے دامن نہ چھڑا سکا۔

حسرت موہانی نے بھی' اپنے دور کی سماجیات کے حوالے سے چند لائنیں کھینچیں۔ اگرچہ حسرت موہانی جیسے سیاسی رہنما سے کچھ زیادہ کی توقع تھی' تاہم یہ عجیب بات ہے کہ اپنے دور کی تقریباً تمام بڑی سیاسی جماعتوں (آل انڈیا مسلم لیگ' آل انڈیا کانگریس اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا) کے پلیٹ فارموں سے خطاب کرنے والے حسرت شعروں کی دنیا میں کہیں بھی "سیاسی" نہیں ہوتے------ وہ کسی بھی جگہ سقراطی' بقراطی اور افلاطونی فلسفوں کی تبلیغ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے سیاسی آدرشوں کو اپنے شعری جھروکوں کے اندر جھانکنے دیتے ہیں------ بلکہ کل ہند ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس میں انہوں نے خود اعتراف کیا تھا:

"شاعری کے معاملے میں آپ کو میری تقلید کرنے کی ضرورت نہیں"

یہ سچ ہے کہ حسرت کی شاعری میں "سماجیات" آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں لیکن

یہ بھی حقیقت ہے حسرت کا رومانوی تجربہ نیا نہیں ہے بلکہ اکتساب فیض کا نتیجہ ہے ـــــ
حسرت کی شاعری میں درجنوں ایسے اشعار موجود ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ حسرت نے اپنے
"شعری گلستان" میں کہاں سے کلیاں مانگی ہیں، کہاں سے پتیاں لی ہیں، رنگ کہاں سے لیے اور
تتلیاں اور بھونرے کدھر سے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی "شعری بوستان" میں موجود سوز و
ساز، لے اور سر، درد اور آہیں بھی اپنا پتا خود بتاتے ہیں۔
مثالیں ملاحظہ ہوں:

طرزِ مومن میں مرحبا حسرت
تیری رنگین نگاریاں نہ گئیں

-----○-----

کہاں سے آئیں گی نیرنگیاں ترکیبِ مومن کی
یہ لطفِ خوش بیانی حسرتِ رنگیں بیاں تک ہے

-----○-----

حسرت تیری شگفتہ کلامی پہ آفریں
یاد آگئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

-----○-----

حسرت رَوا رَوی میں بھی اتنا رہے خیال
اشعار میں نسیم کا رنگِ بیاں رہے

-----○-----

نسیم دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرت
تجھی سے ہے کہ نیرنگئ گفتار بپا رہے

-----○-----

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزا نہ رہا

-----○-----

ہم جامی و حافظ کے بھی قائل ہیں پر حسرت
خوبی میں نہ پہنچا کوئی سعدی کی غزل تک

درحقیقت حسرت موہانی کی "رنگیں بیانی اور "نیرنگی گفتار" ایک ایسے عاشق سیماب کا اعجاز ہے جو عشق و محبت کے Fundamentals سے انحراف نہیں کرتا' بلکہ میر' مومن' نسیم اور سعدی کا میٹریل لے کر بنیادیں بھرتا ہے اور پھر اپنے انداز سے اینٹیں دھرتا جاتا ہے' تاکہ بننے والی دیواریں اور ڈالی جانے والی چھت اس کی اپنی ہو

مگر عاشق سیماب کے نصیب میں چھت کہاں؟۔۔۔۔ عاشق سیماب تو منبع مہرو وفا اور "چلتا پھرتا عاشق" ہے اور اس کے عشق کی آفاقیت (Universality) کا ثبوت یہی ہے کہ وہ کسی مخصوص ڈھب کے جسم' مخصوص رنگ کی آنکھوں' مخصوص طرز کی مسکان یا کسی مخصوص قسم کی اشارت وادا کا قائل نہیں ہوتا۔۔۔۔ وہ تو پینترے بدلتا رہتا ہے۔۔۔۔ عشقیہ پینترے۔۔۔۔ جس میں ہر نئے عشق کو انتہا تک چھوڑ آنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

حسرت کے عشق سے تصوف نکالنے والے بھی موجود ہیں لیکن شاید انہیں علم نہیں کہ عشق اور تصوف دو متوازی قوتیں نہیں ہیں۔۔۔۔ عاشق اور صوفی دراصل ایک ہی راستے کے راہی ہوتے ہیں اور ان کی منزل بھی مختلف نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ عشق اور تصوف کا ملاپ ایک کیمیائی عمل ہے اور اس عمل سے پیدا ہونے والی شاعری سے میکانکی (Mechanical) بنیادوں پر عشق اور تصوف علیحدہ علیحدہ نہیں کیے جاسکتے۔

حسرت اپنے عشق میں سے نئی جہتیں اور سمتیں نکالتے رہتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان کا عشق "دنیاوی فواحش" سے آلودہ نہیں ہوتا۔۔۔۔

بتانِ ماہ روکے حُسن پر ایمان لایا ہوں
انہیں کو دیکھ کر ہوتی ہے اب یادِ خدا مجھ سے

---

جوانی میں عشقِ بتاں بس ہے حسرت
بڑھاپے میں یادِ خدا کیجیے گا!

---

اچھا ہوا کہ مملکتِ حسن و عشق میں
حسرت وہ پادشاہ، مَیں سائل ٹھہر گیا

عاشق سیماب کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ ترک محبت کے بعد بھی اپنے محبوب کو بھولتا نہیں، مسلسل یاد کرتا ہے اور "نئے محبوب" کا "پرانے محبوب" کے Salient Features کی بنیاد پر ہی انتخاب کرتا ہے

اس کا ایک طرف تو ایسا Behaviour ہوتا ہے:

حقیقت کُھل گئی حسرت ترے ترکِ محبت کی
تُجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

جبکہ دوسری طرف:

کیوں نہ ہو اپنے اِشتیاق میں فرق
آگیا آپ کے مذاق میں فرق

------○------

نہ سہی گر انہیں خیال نہیں
کہ اب ہمارا بھی وہ حال نہیں

میرے "عاشق سیماب" کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر رہیں گے جو عشق کی سیمابی کیفیت کو "تجسیمی عشق" قرار دیں گے اور عاشق سیماب کو "ہوس پرست" کہیں گے لیکن ہوس پرستی اور "سیمابیت" دو مختلف چیزیں ہیں، اگرچہ ایک دوسری کی متضاد نہیں۔

حسرت موہانی کی "سیمابیت" کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہر درد، ہر مرض کی دوا ہے تمہارے پاس
آتے ہیں سب یہیں کہ شفا ہے تمہارے پاس

------○------

خانۂ جاں میں نمودار ہے اک پیکرِ نور
حسرتو! آؤ رخِ یار کا ایک جلوا دیکھو

------○------

سر کہیں، بال کہیں، ہاتھ کہیں، پاؤں کہیں
اُن کا سونا بھی ہے کہ کِس شان کا سونا دیکھو

-----O-----

کر دی زبانِ شوق نے سب شرحِ آرزو
الفاظ میں گرچہ صراحت نہ ہو سکی

----O----

حُسن جب تک رہا نظارہ فروش
صبر کی شرمساریاں نہ گئیں

-----O-----

وہ سوتے رہے ہیں الگ ہم سے جب تک
مُسلسل ہم آنسو بہاتے رہے ہیں

عشق میں "سیمابیت" بطرز بشریت ہوس نہیں ہوتی بلکہ یہ حق بشریت ہے کہ عاشق سیماب، بہرطور، انسان ہے، فرشتہ نہیں

حسرت کے حوالے سے ایک اور بات کرنا بھی ضروری ہے کہ کچھ ناقدین نے حسرت کو Hemiplagia کا مریض Paint کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ حسرت کے عشق کو مجہول اور بانجھ سمجھنے والے اگر ان کی سیاسی زندگی پر ایک نظر ڈالنے کی جسارت کر لیتے تو ایسا کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتے۔

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ میں نہ صرف حسرت موہانی کے حوالے سے Translated اصول نقد و نظر سے انکاری ہوں بلکہ سرزمین پاک و ہند پر، ماسوائے ترقی پسندوں کی تحریک کے، کسی کلاسیکی یا رومانی تحریک کے وجود کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔

تنویر عباس نقوی

# اظہارِ تشکر

قوتِ عشق بھی کیا شے ہے' کہ ہو کر مایوس
جب بھی گرنے لگا ہوں میں سنبھالا ہے مجھے

انسان' بنیادی طور پر سہل طلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں فرہاد جیسے کوہ کن کم کم ملتے ہیں لیکن "قوت عشق" ایسی بلا ہے کہ بڑے بڑے "ناموں گرامیوں" کے نام بچے ہوئے ہیں۔

رئیس المتغزلین مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب' ان دنوں کی داستان ہے' جن دنوں میرا عشق عروج پر تھا' اردو شاعری (قدیم وجدید) کے سرخیل' میرے سامنے بازو پھیلائے کھڑے تھے اور میں شب و روز ان سے بغل گیر ہو رہا تھا۔ ان دنوں کی "کارروائیوں" کو جمع کر کے' میں نے اسے "متاع لوح و قلم" کا نام دیا۔ ولی دکنی سے لے کر موجودہ شعراء تک' کم و بیش 50 نفوس پر ان کی ذات اور فن کے حوالے سے' تحقیقی' تنقیدی اور سوانحی مضامین کی اس "متاع" کو میں نے' بڑی دیانت داری سے' سپردِ قلم کیا تو میرے ذہن میں فرداً" فرداً" کچھ شعراء کو الگ سے متعارف کروانے کا کوندا لپکا..... اس وقت میرے سامنے قدیم و جدید شعراء کا "انبار کلام" موجود تھا۔ کچھ "باہنر" شعراء کرام تو ایسے بھی تھے کہ ان کے درجنوں مجموعہ ہائے کلام سے 19'20 اشعار کا انتخاب بھی مشکل تھا لیکن چند نام

ایسے بھی تھے کہ میں باوجود ہزار کوشش کے' ان کے سحر کلام سے نہ نکل سکا۔
مولانا حسرت موہانی' ساحروں کی اسی فہرست میں انتہائی بلند درجے پر فائز ہوئے اور میں نے ان کے کل کلام سے انتخاب کر کے' خوبصورت کہانیوں کی خالق یاسمین نشاط کو بھجوا دیا۔ جنہوں نے اپنے صاف ستھرے ہینڈ رائٹنگ میں اسے نقل کر دیا۔
"متاع لوح و قلم" کے عنوان سے' بیسویں صدی کے مہان شاعر فیض احمد فیض کی تصنیف موجود ہے۔ مجھے مجبوراً" اس ٹائٹل کو بدلنا پڑا۔ اگرچہ ابھی تک اسے "متاع قلم" کا نام ہی دیا ہے' تاہم استاد گرامی جناب منیب برہانی اور ہم سخن ساتھی ابو سجاد ساغر مسلسل اسی تاک میں ہیں کہ میری محنت شاقہ کو کوئی مناسب نام دیا جا سکے۔
کلام حسرت کے انتخاب میں' یاسمین نشاط کا دم ہی میرے لئے غنیمت تھا۔ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود' مجھ پر یہ احسان کیا ہے اور بدلے میں' میں نے اس مجموعہ انتخاب کا انتساب ان کے نام کر دیا ہے کہ اپنے جبلی ناشکرے پن کی وجہ سے' میں اس سے زیادہ کچھ کر نہیں سکتا۔
اس ضمن میں' "خواتین ٹائم" کے مدیر اعلیٰ خالد ڈوگر اور ایگزیکٹو ایڈیٹر اکرم ڈوگر کا ممنون ہوں کہ انہوں نے خلوص نیت کا مظاہرہ کیا اور کلام حسرت کو کمپوز کروا دیا۔ شہزاد شیخ اور آصف عفان وغیرہ کا شکریہ اس لئے ادا کر رہا ہوں کہ ایسا کرنے کے لئے دونوں نے باقاعدہ منت کی ہے۔ باعلم کامریڈ راؤ دوست محمد کا بھی شکریہ ادا کرتا چلوں' جس نے "مقالات سبط حسن" (مرتب سید جعفر احمد) سے ایک مضمون "حسرت صاحب اور ان کے نظریات" تلاش کر کے' مجھے فراہم کیا۔ جو اس انتخاب کے پیش لفظ کے طور پر کام آیا۔ مولانا حسرت کے ان درجنوں عشاق کا بھی شکر گزار ہوں' جنہوں نے اس انتخاب کو جلد از جلد کتابی صورت میں شائع کرانے پر زور دیا۔

ادارہ تخلیقات کے مالک لیاقت علی نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اس انتخاب کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا رسک لیا ہے۔

انتخاب کلام حسرت محض انتخاب نہیں ہے۔ علم و دانش، مہروفا، شکوے شکایتوں اور حکایتوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ہر اہل درد دل کے لئے "دوا" ہے۔

میرا ایمان ہے کہ اس انتخاب کو پڑھنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہزاروں میں سے چند افراد ایسے ضرور ہوں گے جو میری اس کاوش کو سراہیں گے۔

مجھے ان کی آراء کا انتظار ہے کہ اس سے زیادہ
نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا

تنویر عباس نقوی
25جون1998ء

حُسنِ بے پرواہ کو خودبیں و خود آلہ کر دیا
کیا کیا میں نے اظہارِ تمنّا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اَور بھی بے تابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دِل کو شکیبا کر دیا

پڑھ کر تیرا خط مِرے دل کی عجب حالت ہوئی
اِضطرابِ شوق نے اک حشر برپا کر دیا

ہم رہے یاں تک تیری خدمت میں سرگرمِ نیاز
مُجھ کو آخر آشنائے نازِ بے جا کر دیا

اَب نہیں دل کو کِسی صُورت کِسی پہلو قرار
اُس نگاہِ ناز نے کیا سحر ایسا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دِلوں کے مرتبے
مہر ذرّوں کو کیا، قطروں کو دریا کر دیا

تری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا مَیں کہ تُو نے بھی اِشارا کر دیا

سب غَلَط کہتے تھے لُطفِ یار کو وجہِ سکُوں
دَردِ دل اُس نے تو حسرت اَور دُونا کر دیا

☆ ☆ ☆

کوئی بھی پُرساں نہیں حالِ دلِ رنجور کا
یہ سِتم دیکھو دیارِ شوق کے دستور کا

جاتے جاتے رہ گیا وہ نازنین صبحِ وصال
ناز بردارِ اثر ہوں گریۂ مجبور کا

سر اُٹھائے بزمِ جاناں میں بھلا کس کی مجال
رعب غالب ہے یہ اس کے جلوۂ مغرور کا

ہے غضب کی دلفریبی آج حُسنِ ماہ میں
پھر بھی دے اک جام ساقی بادۂ پُرنور کا

خاطرِ مایوس میں نقش اُمید وصل یار
نُور ہے صحرا میں گویا اک چراغ طُور کا

یک قلم بے سُود ہے اظہارِ حالِ آرزو
حُسن بے پرواہ کے آگے عشقِ نا منظور کا

مستیِ عیشِ دو عالم کی نہیں پرواہ مجھے
دیکھنے والا ہوں مَیں اُس نرگس مخمور کا

ہے سپردِ خاک حسرت واں جو اک یارِ عزیز
قصد اک مدّت سے ہم رکھتے ہیں گورِ کھپُور کا

☆ ☆ ☆

دِل کو خیالِ یار نے مخمُور کر دیا
ساغر کو رنگِ بادہ نے پُر نُور کر دیا

مانوس ہو چلا تھا تسلّی سے حالِ دل
پھر تُو نے یاد آ کے بدستور کر دیا

گُستاخ دستیوں کا نہ تھا مُجھ میں حوصلہ
لیکن ہجومِ شوق نے مجبور کر دیا

کچھ ایسی ہوگئی ہے تیرے غم میں مُبتلا
گویا کِسی نے جان کو مسحُور کر دیا

بے تابیوں سے چھُپ نہ سکا ماجرائے دل
آخر حضورِ یار بھی مذکور کر دیا

اہلِ نظر کو بھی نظر آیا نہ روئے یار
یاں تک حجاب نُور نے مستور کر دیا

حسرت بہت ہے مرتبۂ عاشقی بلند
تُجھ کو تو مُفت لوگوں نے مشہور کر دیا

☆ ☆ ☆

ہم نے کِس دن تیرے کُوچے میں گُزارا نہ کیا
تُو نے اے شوخ مگر کام ہمارا نہ کیا

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریِ دل
اِلتفات اُن کی نگاہوں نے دوبارا نہ کیا

محفلِ یار کی رہ جائے گی آدھی رونق
ناز کو اُس نے اگر انجمن آرا نہ کیا

طعنِ احباب سُنے، سرزنشِ خلق سہی
ہم نے کیا کیا تیری خاطر سے گوارا نہ کیا

جب دیا تم نے رقیبوں کو دیا جامِ شراب
بھول کر بھی مری جانب کو اشارا نہ کیا

رُوبرُو چشمِ تصوّر کے وہ ہر وقت رہے
نہ سہی آنکھ نے گر اُن کا نظارا نہ کیا

گر یہی ہے ستمِ یار تو ہم نے حسرتؔ
نہ کیا کچھ بھی جو دُنیا سے کِنارا نہ کیا

☆ ☆ ☆

ہجومِ بے کسی کو وجہِ لُطفِ بے کراں پایا
کہ ہم نے آج اس نامہرباں کو مہرباں پایا

عجب تھا رنگ بزمِ یار میں نیرنگِ عالم کا
کِسی کو سرنگوں دیکھا کِسی کو شادماں پایا

ستم سمجھے ہوئے تھے ہم تری بے اِعتنائی کو
مگر جب غور سے دیکھا تو اِک لُطفِ نِہاں پایا

کِسے فُرصت تُمہاری جستجوئے شوق بے حد سے
ابھی ہم نے کہاں ڈھونڈا، ابھی ہم نے کہاں پایا

نہ سمجھا بانیٔ جور و جفا اُس شوخ کو کوئی
کہ ہم نے جِس کو پایا شکوہ سنجِ آسماں پایا

نہ پا سکتے کبھی پابند رہ کر قیدِ ہستی میں
سو ہم نے بے نشاں ہو کر تُجھے او بے نِشاں پایا

حقیقت نالۂ دل سے کُھلی غم ہائے پنہاں کی
سُنا شورِ جرس جس نے نِشانِ کارواں پایا

ہنسی عبرت بہت، جب رنگِ گُل کی بے ثباتی نے
چمن میں عندلیبِ سادہ دل کو شادماں پایا

نہ جائے کوئی میری وضعِ رُسوا پر کہ اے حسرت
کمالِ عاشقی نے مُجھ کو یکتائے زماں پایا

یاد کر وہ دِن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا
باوجودِ حُسن تُو آگاہِ رعنائی نہ تھا

عشق روز افزوں پہ اپنے مُجھ کو حیرانی نہ تھی
جلوۂ رنگیں پہ تجھ کو نازِ یکتائی نہ تھا

دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی
جبکہ تیرا حُسن سرگرم خُود آرائی نہ تھا

کیا ہوئے وہ دِن کہ محوِ آرزُو تھے حُسن و عشق
ربط تھا دونوں میں گو ربط شناسائی نہ تھا

تُو نے حسرت کی عیاں تہذیب رسمِ عاشقی
اِس سے پہلے اعتبارِ شانِ رسوائی نہ تھا

☆ ☆ ☆

سرگرمِ ناز آپ کی شانِ جفا ہے کیا
باقی سِتم کا اور بھی حوصلہ ہے کیا

آنکھیں تری جو ہوش رُبائی میں فرو ہیں
ان میں یہ سحر کاریِ رنگِ حیا ہے کیا

گر جوشِ آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی
مَیں بھول جاؤں گا کہ مرا مُدعا ہے کیا

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں مرے بار بار
عشقِ خدا نُما کی یہی ابتدا ہے کیا

اک برقِ مضطرب ہے کہ اک سحر بے قرار
کُچھ پوچھیے نہ وہ نگہِ فتنہ زا ہے کیا

اس درجہ دلِ پذیر ہے آہنگ نغمہ کیوں!
پنہاں لباسِ درد میں تری صدا ہے کیا

چل بھی دیے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم پوچھتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

نزدیک بامِ یار سے ہے نردبانِ عشق
اے دل یہ جائے حوصلہ ہے' دیکھتا ہے کیا

حسرتؔ جفائے یار کو سمجھا جو تُو وفا
آئینِ اشتیاق میں یہ بھی رَوا ہے کیا

مُجھ کو خبر نہیں کہ مرا مرتبا ہے کیا
یہ ترے اِلتفات نے آخر کیا ہے کیا

ملتیں کہاں گُداز طبیعت کی لذتیں
رنجِ فراقِ یار بھی راحت فزا ہے کیا

ہوں دردِ لادوائے محبّت کا مبتلا
مجُھ کو خبر نہیں دوا کیا' دُعا ہے کیا

مری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر!
یہ دیکھئے مناسبِ شانِ عطا ہے کیا

ہیں بہترین صُلح یہ ظاہر کی رنجشیں
ناحق ہوں میں ملُول' وہ مُجھ سے خفا ہے کیا

گرویدہ جس سے تُو ہے خبر بھی نہیں اسے
پھر ترے اِضطراب کی حسرت رہنا ہے کیا

☆ ☆ ☆

ہم بندگانِ درد پہ مشقِ جفا ہے کیا
دِل جوئیِ وفا کا یہی متقضا ہے کیا

محرومیوں نے گھیر لیا ہے خیال کو!
اے عشقِ یار تیری یہی اِنتہا ہے کیا

شوقِ بقائے یار کہاں، مَیں حزیں کہاں
اے جانِ بے قرار تجھے یہ ہوا ہے کیا

ہو جائے گی کبھی نہ کبھی جانِ نذرِ یار
بیمارِ عشق ہم ہیں ہماری شفا ہے کیا

لاکھوں کو جِس نے صبر سے بیگانہ کر دیا
کیا کہیئے آہ وہ نگہِ آشنا ہے کیا

گرویدہ اس قدر ہے جو محرومیوں سے دل
اے دردِ یار تری اِسی میں بقا ہے کیا

سودائے عشقِ یار ملامت کی جا نہیں
حسرت کو پیرِ عقل یہ سمجھا رہا ہے کیا

☆☆☆

اک برقِ تپاں ہے کہ تکلّم ہے تمہارا
اک سحر ہے لرزاں کہ تبسّم ہے تمہارا

پایا جو تجھے درپے اظہارِ تمنّا
بولے وہ سراسر یہ توہّم ہے تمہارا

اشکوں سے ہے یہ خواہشِ دیدار کو شکوہ
کچھ آج غضب رنگِ تلاطم ہے تمہارا

دیکھے نہ ہمیں کوئی محبت کی نظر سے
کیا خوب یہ اندازِ تحکم ہے تمہارا

اب اُن سے کہو آرزوِ شوق نہ حسرت
وہ حسنِ بیاں آج کہاں گم ہے تمہارا

☆☆☆

جو نازِ حُسن سے کی تھی کبھی غرور کی بات
سو آج تک ہے مجھے یاد وہ حضور کی بات

بدیر جا کے ہوا ختم سلسلہ اس کا
چلی جو اہلِ خرابات میں سرور کی بات

مزاجِ یار مکدّر عدو سے کیوں ہوتا
ضرور کوئی نہ کوئی ہوئی فتور کی بات

میں دل کی آنکھ سے دیکھوں نہ چشمِ سر سے اُنھیں
کہ پھر نہ پیش نظر ہو وہ کوہِ طور کی بات

نہ پوچھئے کہ ہوئی حُسن کی عجب حالت
سنی جو پہلے پہل عشقِ ناصبور کی بات

وہ بے سبب ہیں خفا مجھ سے کیا کہوں حسرت
مجھے تو یاد نہیں ہے کوئی قصور کی بات

☆☆☆

اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بارِ انتظار!
کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہار انتظار!

ان کی الفت کا یقین ہو ان کے آنے کی امید!
ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہار انتظار!

عُمر کیجئے صرفِ یاد گیسو و رُخسار یار!
یوں بسر کر جایئے لیل و نہار انتظار!

جان و دل کا حال کیا کہئے فراق یار میں
جان مجروح الم ہے دل فگار انتظار

کیا ہوئیں آسانیاں وہ روز گار وصل کی
اب تو ہم ہیں اور رنج بے شمار انتظار

میری آہیں نارسا، میری دعائیں نا قبول
یاالٰہی کیا کروں مَیں شر مسارِ انتظار

صبر کی طاقت نہیں باقی دلِ مایوس میں!
دیکھیئے کیونکر بسر ہو روزگارِ انتظار

راہ تیری اس قدر دیکھی کہ اے غفلت شعار
میری آنکھیں ہو گئیں سرمایہ دارِ انتظار

اُن کے خط کی آرزو ہے اُن کی آمد کا خیال
کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبارِ انتظار

ہے دلِ مسرور حسرت اک طرب زار اُمید
پھونک ڈالے گر نہ اس گلشن کو نارِ انتظار

عشق کی روحِ پاک کو تحفۂ غم سے شاد کر
اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر

غمزہ دلفریب کو اور بھی جاں فزا بنا
پیکرِ نازِ حُسن پر رنگِ حیا زیاد کر

خرمی دو روزہ کو عشرتِ جاوداں نہ جان
فکرِ معاش سے گزر حوصلۂ معاد کر

ایک نجاتِ ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو
ہمت سر بلند سے یاس کا انسداد کر

حق سے بہ عذرِ مصلحتؑ وقت پہ جو کرے گُریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ اس پہ نہ اعتماد کر

خدمتِ اہلِ جَور کو کر نہ قبول زینہار
فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زار کر

غیر کی جدو جُہد پہ تکیہ نہ کر کہ ہے گُناہ
کوششِ ذاتِ خاص پر ناز کر اعتماد کر

☆ ☆ ☆

دل ہے غرقِ شادمانی جان سیرابِ نشاط
وَصل کی شب ہے بہم ہیں جُملہ اسبابِ نشاط

ہے جہانِ آرزُو میں آج گویا روزِ عید
چل رہی ہے محفلِ دل میں مئے نابِ نشاط

حسرتیں وقفِ طرب ہیں آرزُو محوِ سرور!
بخت نے کھولا ہے رُوئے شوق پر بابِ نشاط

ہیں فراہم اہلِ ذوق آمادہ ہے بزمِ طرب
اِہتمام نغمہ سنجی میں ہیں اربابِ نشاط

ہو گئی جوشِ تمنّا سے مبدّل بے خُودی
سازِ حیرت پر لگی جس وقت مضراب نشاط

کامیاب عیش بے حد ہے دلِ عشرت نصیب
آرزُو کے سر سے گذرا جائے ہے آب نشاط

ہے غرض ہر سمت اک ہنگامۂ شادی بپا
کچھ نہیں چلتی ملامت گر کی دربابِ نشاط

سازوسامان خرد، سرمایۂ ہوش وحواس
آج لے جائے بہا کر سب کو سیلابِ نشاط

رشک سے بے تاب ہے نیرنگیِ دورِ فلک
ہوشیار، اے بے خبر، اے غافلِ خوابِ نشاط

ہے اسی کا نام حرمانِ اتم اے وصلِ یار!
خاطرِ محرومِ حسرت کو نہیں تابِ نشاط

کام لوں ناکامیوں سے عشق کا کہنا کروں!
ہو کے واقف لُطفِ غم سے رات دِن رویا کروں

بڑھ چلا تھا حد سے جورِ شیوۂ بیگانگی
وَرنہ مَیں اَور اس سراپا ناز کا شکوا کروں

وَصل کی شب بھی ہوئی جاتی ہے صَرف اضطراب
اِس ہجومِ آرزُو کو یا اِلٰہی کیا کروں

مجُھ سے تُم چھُپنے لگے، اچھا کیا، یُونہی سہی
اَور جو مَیں دِیدۂ دل سے تمہیں دیکھا کروں

اُس کے لُطفِ بندہ پرور کا ہوں اِک ادنیٰ غلام
میری کیا طاقت کہ عشقِ یار کا دعوےٰ کروں

ہے یہی شرطِ وفاداری کہ بے چُون و چرا
وہ مجھے چاہے نہ چاہے میں اسے چاہا کروں

اے ستم گر، مجُھ سے گو ترکِ وَفا ممکن نہیں
مَیں کروں لیکن کبھی ایسا تو کیا بے جا کروں

حسرت اس دیرِ آشنا کی آرزُو آساں نہیں
دِل میں پہلے ضبطِ غم کا حوصلا پیدا کروں

☆ ☆ ☆

بدلِ لذتِ آزار کہاں سے لاؤں
اب تجھے اے ستم یار کہاں سے لاؤں

پُرسشِ حال پہ ہے خاطرِ جاناں مائل
جرأتِ کوششِ اظہار کہاں سے لاؤں

ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز
التفاتِ نگہِ یار کہاں سے لاؤں

نور عنقا ہے شبِ ہجر کی تاریکی میں
جلوۂ صبح کے آثار کہاں سے لاؤں

شعر میرے بھی ہیں پُر درد لیکن حسرت
میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں
دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں

عقل صبر آشنا سے کچھ نہ ہوا
شوق کی بے قراریاں نہ گئیں

دن کی صحرا نوردیاں نہ چھٹیں
شب کی اختر شماریاں نہ گئیں

ہوش یاں سدِّ راہِ علم رہا
عقل کی ہرزہ کاریاں نہ گئیں

تھے جو ہمرنگِ ناز ان کے ستم
دل کی امیدواریاں نہ گئیں

حُسن جب تک رہا نظارہ فروش
صبر کی شرمساریاں نہ گئیں

طرزِ مومن میں مرحبا حسرت
تیری رنگین نگاریاں نہ گئیں

☆ ☆ ☆

گرفتارِ محبت ہوں اسیرِ دام محنت ہوں
مَیں رُسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں

عجب انداز ہے میرے مزاج لا اُبالی کا
نہ ممنونِ تمنا ہوں نہ مشتاقِ مسرت ہوں

مری بے تابیوں کا قول ہے، ہم جانِ تمکین میں
مری افتادگی کہتی ہے تاج فرق عزت ہوں

مِرا شوقِ سخن پروردۂ آغوشِ حرماں ہے
مَیں خود شیدائے غم ہوں رفتۂ دردِ محبت ہوں

نہیں ہے قدرداں کوئی تو مَیں ہوں قدرداں اپنا
تکلف بر طرف بیگانۂ رسمِ شکایت ہوں

کمال خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت!
مَیں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

☆ ☆ ☆

ہم پر بھی مثلِ غیر ہیں کیوں مہربانیاں
اے بدگماں یہ خوب نہیں بدگمانیاں

حیرت ہے یادگار زمانِ جنوں ہنوز
باقی ہے شوقِ یار کی اب تک نشانیاں

طاعت گزار ہوں دلِ حسرت پسند کا
ناکامیاں ہیں میرے لیے کامرانیاں

رنگِ بہار باغ ہے مہمانِ یک نفس
اے وائے عندلیب تری شادمانیاں

ٹھہرا ہے ضبطِ شوق پہ آکر معاملہ
اس درجہ آرزو کی بڑھیں بے زبانیاں

گو ترکِ آرزو کو زمانہ گزر گیا
لیکن گئی نہ ہم سے تری سرگرانیاں

حسرت تری شگفتہ کلامی پہ آفریں
یاد آگئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

☆☆☆

بُھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترکِ اُلفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

نہ چھیڑ اے ہم نشیں کیفیتِ صہبا کے افسانے
شرابِ بے خودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں

رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی
وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کُھل گئی حسرتؔ ترے ترکِ محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

☆☆☆

عشق میں جان سے گُذر جائیں
اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں

جامہ زیبی نہ پُوچھیے اُن کی!
جو بِگڑنے میں بھی سنور جائیں

اُن کو مدِّنظر ہُوا پَردا!
اہلِ شوق اب کہو کِدھر جائیں

شب وہی شب ہے، دن وہی دن ہیں
جو تِری یاد میں گُذر جائیں

گریہء شام سے تو کچھ نہ ہُوا
ان تک اَب نالہء سحر جائیں

دوش تک بھی بلائے جاں ہیں وہ بال
جانے کیا ہوں جو تا کمر جائیں

شعر دَراصل ہیں وہی حسرت
سُنتے ہی دل میں جو اُتر جائیں

☆☆☆

اثرِ عشق سے نِکلیں جو تُمھارے آنسو!
دامنِ جاں میں وہ لے لیجئے سارے آنسو!

جلوہء حُسن سے رنگین ہیں آنکھیں اُن کی
سُرخ نِکلے ہیں اُسی رنگ کے سارے آنسو

دیکھ کر غیر کی محفل میں اُنہیں مستِ شراب
نہ ہوا ضَبط نِکل آئے ہمارے آنسو

عالمِ حُسن میں ہیں نُور کی نہریں جاری
یا رواں عارضِ جاناں کے کنارے آنسو

گریہء شوق سے تر ہیں جو تُمھاری آنکھیں
بن گئے ہیں فلکِ حُسن کے تارے آنسو

ہے محبّت سے سروکار ہمیں بھی حسرت
چشمِ جاناں میں یہ کرتے ہیں اِشارے آنسو

☆☆☆

کسی عنواں صبر آتا نہیں مجھ نا شکیبا کو
الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محوِ تمنّا کو

نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اُس نگاہِ بے محابا کو

وہ خوابِ ناز میں تھے اور نہ تھے اے شوقِ پابوسی
نہ سمجھی پستیِ ہمّت تری اس لُطفِ ایما کو

تمہیں بھی یاد ہوگا وہ زمانہ عیشِ ماضی کا
تمنّا چاہتی ہے پھر اُسی لُطفِ شناسا کو

نگاہ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی ظالم
تیرے ظلمِ نمایاں نے ترے حُسنِ خود آرا کو

عیّاں سب حال ہو جاتا ہماری بے قراری کا
وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے نازِ یکتا کو

چُھپائے سے کہیں آثار چُھپتے ہیں محبت کے
نہ دو الزام مرے اضطرابِ آشکارا کو

گذاری عُمر شغلِ عاشقی میں مرحبا حسرت
نہ پاس آنے دیا غمہائے بے پایاں دُنیا کو

☆ ☆ ☆

دِل جوئیِ اغیار سے فرُصت نہیں تُم کو
معلوم ہُوا قدرِ محبّت نہیں تُم کو

مِٹ جائیں گے اِس شیوۂ بیباک پہ لاکھوں
مارا ہے مجھُے اَور ندِامت نہیں تُم کو!

بھُولے سے ہی اُٹھ جائے نقابِ رُخِ زیبا
کیا شوق کی اتنی بھی رعایت نہیں تُم کو

کچُھ غیر نہیں ہم کہ بِگڑ جائیں جفا سے
اِظہارِ مراعات کی حاجت نہیں تُم کو

ڈرتے نہیں رُسوائی عقبیٰ سے بھی حسرت
دُنیا میں تو پروائے ملامت نہیں تُم کو

☆ ☆ ☆

نگاہِ یار جِسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

دِلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
تیرے جنوں کا خُدا سِلسلہ دَراز کرے

خِرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خِرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دَردِ محبّت سے ساز باز کرے

ترِے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت
اَب آگے تری خُوشی ہے جو سَرفراز کرے

☆ ☆ ☆

اَور تو پاس مِرے ہجر میں کیا رکھا ہے
اِک ترے درد کو پہلو میں چھپا رکھا ہے

دِل سے اربابِ وَفا کا ہے بُھلانا مشکل!
ہم نے یہ اُن کے تغافل کو سُنا رکھا ہے

تُم نے بال اپنے جو پھُولوں میں بسا رکھے ہیں
شوق کو اَور بھی دِیوانہ بنا رکھا ہے

سخت بے دَرد ہے تاثیرِ محبت کہ اُنہیں
بسترِ ناز پہ سوتے سے جگا رکھا ہے

کیا تامّل ہے مِرے قتل میں اے بازوئے یار
ایک ہی وَار میں سرتَن سے جُدا رکھا ہے

حُسن کو جَور سے بیگانہ نہ سمجھو کہ اِسے
یہ سبق عِشق نے پہلے ہی پڑھا رکھا ہے

کہتے ہیں اہلِ جہاں دَردِ محبّت جِس کو
نام اُسی کا دلِ مُضطر نے دَوا رکھا ہے

اس کا انجام بھی کچھ سوچ لیا ہے حسرتؔ
تُو نے ربط اُن سے جو اِس درجہ بڑھا رکھا ہے

☆ ☆ ☆

ہے مشقِ سخن جاری، چکّی کی مشقّت بھی
اِک طُرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

جو چاہو سزا دے لو تُم اَور بھی کُھل کھیلو
پَر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی

دُشوار ہے رِندوں پر انکارِ کرم یکسر
اے ساقیِ جاں پَرور، کچھ لُطف و عنایت بھی

دل بَس کہ ہے دیوانہ اُس حُسنِ گُلابی کا
رنگیں ہے اِسی رَو سے شاید غمِ فرقت بھی

خود عِشق کی گُستاخی سب تُجھ کو سِکھالے گی
اے حُسنِ حیا پرور شوخی بھی، شرارت بھی

برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی
بادل جو نظر آئے بدلی میری نیت بھی

رکھتے ہیں مرے دل پر کیوں تُہمتِ بیتابی
یاں نالۂ مُضطر کی جب مجھ میں ہو قوّت بھی

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تری خواہش تھی
جس پر اُنھیں غصّہ ہے اِنکار بھی حیرت بھی

ہیں شادؔ و صفیؔ شاعرِ شوقؔ و وفا حسرت
پھر ضامنؔ و محشرؔ ہیں اقبالؔ بھی وحشتؔ بھی

اَربابِ اشتیاق سے پروانہ چاہیے
اے حُسن خود نُما تجھے ایسا نہ چاہیے

اُن کا ستم بھی عینِ کرم ہے خواص کو
اس کا مگر عوام میں چرچا نہ چاہیے

کُچھ حَد سے بڑھ چلی ہیں تِری کَج ادائیاں
اس درجہ اعتبارِ تمنّا نہ چاہیے

جو دیکھتے ہوں دیکھنے والوں کا دیکھنا
ایسوں کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیے

اتنی سی شے کا تُم سے تقاضا کریگا کون
دل لے کے ہَم سے آنکھ چُرانا نہ چاہیے

اِخفائے عشق مدِّنظر ہو تو حُسن سے
اظہارِ آرزُو میں محابانہ چاہیے

حسرتؔ کی طرح اور بھی مُشتاق ہیں بہت
اِس حسنِ بے مثال کو چھُپنا نہ چاہیے

رَوشِ حُسنِ مراعات چلی جاتی ہے
ہم سے اَور ان سے وہی بات چلی جاتی ہے
اس جفا جُو سے بایمائے تمنّا اب تک
ہوسِ لطف و عنایات چلی جاتی ہے
مِل ہی جاتے ہیں پشیمانیِ غم کے اسباب
شوقِ حرماں کی مُدارات چلی جاتی ہے
ہم سے ہر چند وہ ظاہر میں خفا ہیں لیکن!
کوششِ پُرسشِ حالات چلی جاتی ہے
دِن کو ہم اُن سے بگڑتے ہیں وہ شب کو ہم سے
رسمِ پابندیِ اوقات چلی جاتی ہے
اس سِتمگر کو سِتمگر نہیں کہتے بنتا
سعیِ تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے
نگہِ یار سے پا لیتے ہیں دِل کی باتیں
شہرتِ کشف وکرامات چلی جاتی ہے
حیرتِ حُسن نے مجبوُر کیا ہے حسرت
وَصلِ جاناں کی یُونہی رات چلی جاتی ہے

☆ ☆ ☆

توڑ کر عہدِ کرم نا آشنا ہو جایئے
بندہ پرور جایئے، اچھا خفا ہو جایئے

میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجئے التفات
بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جایئے

راہ میں ملیئے کبھی مجھ سے تو ازراہِ ستم
ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جایئے

گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشا دیکھیے
قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جایئے

میری تحریرِ ندامت کا نہ دیجئے کچھ جواب
دیکھ لیجئے اور تغافل آشنا ہو جایئے

مجھ سے تنہائی میں گر ملیئے تو دیجئے گالیاں!
اور بزمِ غیر میں جانِ حیا ہو جایئے

ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اِس سے بھی بڑھ کر پُرجفا ہو جایئے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخِ تغافل کیش سے
اَب نہ ملئے پھر کبھی اور بے وَفا ہو جایئے

کاوشِ دردِ جگر کی لذّتوں کو بُھول کر!
مائلِ آرام ومشتاقِ شفا ہو جایئے

ایک بھی اَرمان نہ رَہ جائے دِلِ مایوس میں
یعنی آخر بے نیازِ مُدعا ہو جایئے

بُھول کر بھی اِس ستم پَرور کی پھر آئے نہ یاد
اِس قدر بیگانۂِ عہدِوَفا ہو جایئے

ہائے ری بے اِختیاری یہ تو سَب کُچھ ہو مگر
اُس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جایئے

چاہتا ہے مجھ کو تو بھُولے نہ بھُولوں میں تُجھے
تیرے اِس طرزِ تغافل کے فِدا ہو جایئے

کشمکش ہائے اَلم سے اَب یہ حسرت جی میں ہے
چُھٹ کے اِن جھگڑوں سے مہمانِ قضا ہو جایئے

☆ ☆ ☆

اثر ترے تغافل کا رقیبِ کامراں تک ہے
وجودِ رشک یعنی اضطرابِ بدگماں تک ہے

ابھی دیکھی نہیں گستاخیاں جوشِ تمنّا کی!
تمھاری کم نگاہی التماسِ بے زباں تک ہے

چمن میں دور فصلِ گل ہے لیکن وائے محرومی
قیامِ بلبلِ مجبورِ رحمِ باغباں تک ہے

دلِ بے تاب کی بے باکیاں ان سے یہ کہتی ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپ کی شوخی کہاں تک ہے

مری مجبوریاں مشقِ جفا سے باز رکھیں گی
تیرا شوقِ ستم ظالم خیالِ امتحاں تک ہے

سکھا دے گی ندامت شیوۂ قدرِ وفا اُن کو
یہ شانِ کج ادائی میری جانِ ناتواں تک ہے

مُجھے طوفِ حرم کی آرزو کیوں ہو گذر میرا!
سرِ کوئے بُتاں تک ہے دَرِ پیرِ مُغاں تک ہے

وہی جورِ خزاں ہو گا وہی محرومیاں ہونگی
نشاطِ بُلبلِ بے دل بہارِ بوستاں تک ہے

ہماری داستانِ بیقراری بھی سنا دیجو
گُذر تیرا تو اے بادِ صبّا اُن کے مکاں تک ہے

کہاں سے آئیں گی نیرنگیاں ترکیب مومن کی
یہ لُطفِ خوش بیانی حسرتِ رنگیں بیاں تک ہے

☆ ☆ ☆

تھی راحتِ حیرت کی کس درجہ فراوانی
مَیں نے غمِ ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی

اِک مَیں ہوں سو یا مَیں ہوں، محروم فراغت ہوں
اِک دِل ہے سو دِل ہے؟ مجبورِ پریشانی

کس درجہ پشیماں ہے تاثیرِ وفا میری
اس شوخ پہ آتا ہے اِلزامِ پشیمانی

دیکھ اے ستمِ جاناں، یہ نقشِ محبت ہیں
بنتے ہیں بدشواری مٹتے ہیں باآسانی

مَیں اس بُتِ بدخُو کی اس آن پہ مرتا ہوں
کھینچا نہ کبھی اس نے اندوہِ پشیمانی

یاں صبر میں ہے پنہاں کیفیتِ بیتابی
واں لُطف سے پیدا ہے اندازِ ستم رانی

قائم ہے ترے دم سے طرزِ سخن قائم
پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگِ غزلخوانی

☆ ☆ ☆

مے نوشیوں میں بے خبر دو جہاں رہے!
ہم خوش رہے کہ بندۂ پیرِ مُغاں رہے

اس بے وفا کو ترکِ وفا کے گُماں رہے
محروم ہم، کہ مائلِ ضبطِ فغُاں رہے

یارَبّ ہمارے بعد بھی بزمِ شراب میں!
ساقی کے دَم سے دورِ مئے ارَغواں رہے

یہ مقتضائے رابطۂ حُسن و عشق تھا
ہم بدگُماں اِدھر، وہ اُدھر بدگُماں رہے

رَنجِ شبِ فراق کی مِٹ جائیں سختیاں
یُوں ہی اگر خیال تِرا مہرباں رہے

محرومیِ وفا سے نہ آیا یقینِ لُطف
وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے

اُن سے شبِ وصال بھی کُھل کر نہ ہم ملے
تا صبح شکوہ ہائے جفا درمیاں رہے

دلچسپ کِس قدر تھا مِرا قصہ وفا کا
جب تک ہوا بیاں وہ محوِ بیاں رہے

حسرت رَوا رَوی میں بھی اتنا رہے خیال
اشعار میں نسیم کا رنگِ بیاں رہے

☆ ☆ ☆

یاد ہیں سارے وہ عیشِ بافراغت کے مزے
دِل ابھی بھُولا نہیں آغازِ اُلفت کے مزے

وہ سراپا ناز تھا بے گانۂ رسمِ جفا
اور مجھے حاصل تھے لُطفِ بے نہایت کے مزے

حُسن سے اپنے وہ غافل تھا مَیں اپنے عشق سے
اَب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

مری جانب سے نگاہِ شوق کی گُستاخیاں
یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے

یاد ہیں وہ حُسنِ اُلفت کی نرالی شوخیاں
اِلتماس عذروتمہید شکایت کے مزے

☆ ☆ ☆

خیالِ یار میں بھی ہے رنگ و بوئے یار پیدا ہے
یہ رنگیں ماجرا اے عشقِ شیریں کار پیدا ہے

تیرے روئے دل آرا کے تصور کا یہ عالم تھا
کہ چشمِ شوق میں اِک حُسن کا گُلزار پیدا ہے

میرے اِصرار مُضطر میں نہاں تھی مری مایوسی
تیرے اِقرارِ آساں میں تیرا اِنکار پیدا ہے

وفا میری بشکلِ بے زبانی آشکارا تھی
ستم ترا برنگِ پرسشِ اغیار پیدا ہے

نسیم دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرت!
تجھی سے ہے کہ یہ نیرنگیِ گفتار پیدا ہے

☆ ☆ ☆

عرضِ کرم پہ ترکِ جفا بھی نہ کیجئے
ایسا نہ ہو کہ آپ مِلا بھی نہ کیجئے

اس بے وَفا سے مصلحتِ شوق ہے یہی
اپنی ستم کشی کا گِلا بھی نہ کیجئے

پھر کہئے کِس اُمید پہ ہم زِندگی کریں
ہم پر ہجومِ نازو ادا بھی نہ کیجئے

حسرت یہ کیا ستم ہے کہ اِک بُت کے عشق میں
تو چاہتا ہے کہ یادِ خُدا بھی نہ کیجئے

☆ ☆ ☆

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
محبت میں بتا اے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

بھُلا دیتی ہیں سب رنج و اَلم حیرانیاں میری
تری تمکینِ بے حد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

جفائے یار کے شکوے نہ کر اے رنجِ ناکامی
اُمید و یاس دونوں ہوں بہم ایسا بھی ہوتا ہے

میرے پاسِ وفا کی بدگمانی ہے بجا تم سے
کہیں بے وجہ اظہارِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے

تیری دلداریوں سے صورتِ بے گانگی نکلی
خوشی ایسی بھی ہوتی ہے اِسم ایسا بھی ہوتا ہے

وقارِ صبر کو یا گریہ ہائے بیگانگی نے!
کہیں اے اعتبارِ چشمِ نم ایسا بھی ہوتا ہے

بدعوائے وفا کیوں شکوہ سنجِ جُور ہے حسرت
دیارِ شوق میں اے محوِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

☆ ☆ ☆

مَیں ہوں کیا میری محبت کی حقیقت کیا ہے
اس نے یہ بھی تو نہ پوچھا تیری حالت کیا ہے
ہم کو واعظ یہ خبر سب ہے کہ جنت کیا ہے
کوچۂ یار سے لیکن اسے نسبت کیا ہے
جس کی ذلت میں بھی عزت ہے سزا میں بھی مزا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت کیا ہے
مُجھ سے برگشتہ نہ ہوتے تو تعجب ہوتا!
آپ کو عُذرِ تغافل کی ضرورت کیا ہے
شادماں ہو کے ترے درد سے کہتا ہے یہ دل
ہے اذیت جو یہی چیز تو راحت کیا ہے
خوف ہو اُن کو تو ہو حُسن کی بدنامی کا
ہم ہیں عاشق ہمیں پروائے ملامت کیا ہے
تُم یہ پھر بھی تو نہ سمجھے کہ کرم ہے کیا شے
ہم نے پھر بھی تو نہ جانا کہ شکایت کیا ہے
رندِ مے نوش کبھی، صوفیِ صافی ہے کبھی
حسرتؔ آخر یہ ترا رنگِ طبیعت کیا ہے

☆ ☆ ☆

چُپکے چُپکے رات دِن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اَب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

باہزاراں اِضطراب و صد ہزاراں اِشتیاق
تجھ سے وہ پہلے پہل دِل کا لگانا یاد ہے

بار بار اُٹھنا اسی جانب نگاہِ شوق کا
اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے

تُجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا مرا
اور ترا دانتوں میں وہ اُنگلی دبانا یاد ہے

کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چُھپانا یاد ہے

تُجھ کو جب تنہا کبھی پانا تو اَز راہِ لحاظ
حالِ دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے

جب سِوا میرے تُمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا
سچ کہو کچھ تم کو بھی وہ کارخانا یاد ہے

غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف
وہ تِرا چوری چھُپے راتوں کو آنا یاد ہے

آگیا گر وَصل کی شب بھی کہیں ذکرِ فراق
وہ تِرا رو رو کے مُجھ کو بھی رلانا یاد ہے

دوپہر کی دھوپ میں میرے بُلانے کے لئے
وہ تِرا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

آج تک نظروں میں ہے وہ صحبتِ راز و نیاز
اپنا جانا یاد ہے تیرا بُلانا یاد ہے

میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی
ذکرِ دُشمن کا وہ باتوں میں اُڑانا یاد ہے

دیکھنا مُجھ کو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے
جب منا لینا تو پھر خود رُوٹھ جانا یاد ہے

چوری چوری ہم سے تُم آکر ملے تھے جس جگہ
مُدّتیں گزریں پر اَب تک وہ ٹھکانا یاد ہے

شوق میں مہندی کے وہ بے دستِ و پا ہونا تیرا
اور مرا وہ چھیڑنا' وہ گُدگُدانا یاد ہے

باوجودِ ادعائے اِتقا حسؔرت مجھے
آج تک عہدِ ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

☆ ☆ ☆

پردے سے اِک جھلک جو وہ دِکھلا کے رہ گئے
مُشتاقِ دید اور بھی للچا کے رہ گئے

گُم کردہ راہِ عشق فنا کیوں نہ ہوگیا
احساں جو اس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حُسن
آیا مِرا خیال تو شرما کے رہ گئے

جب عاشقوں سے صدمۂ ہجراں نہ اُٹھ سکا!
آخر کو ایک روز وہ سَم کھا کے رہ گئے

جب وہ چُھٹا تو کچھ نہ رہا دل میں' اِک مگر
داغِ فراق اس گُلِ رعنا کے رہ گئے

ملنے کی اُن سے ایک بھی صورت نہ بَن پڑی
سارے مسودے دلِ دانا کے رہ گئے

ٹوکا جو بزمِ غیر سے آتے ہوئے انہیں
کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے

بے باک تھا زبسکہ مرا اضطرابِ شوق
شرما کے وہ کبھی، کبھی جھنجلا کے رہ گئے

دل کی لگی بجھا بھی وہ سکتے تو بات تھی
یہ کیا ہوا کہ آگ ہی بھڑکا کے رہ گئے

آئے بھی وہ چلے بھی گئے وہ مثالِ برق
دل ہی میں حوصلے دلِ شیدا کے رہ گئے

دعوائے عاشقی ہے تو حسرتؔ کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

دلِ مایوس کو گرویدۂ گفتار کر لینا
وہ اُن کا پردۂ انکار میں اقرار کر لینا

سکونِ یاس بھی ممکن نہیں اب ہم غریبوں کو
قیامت ہے کسی کا وعدۂ دیدار کر لینا

کہیں آؤ جو آنا ہے کہ ہولیں شاد کچھ ہم بھی
ہمارے بعد پاسِ خاطرِ اغیار کر لینا

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہم پر بھی ہُوا لازم
دلِ مجبور کو خُو کردۂ آزار کر لینا

حصولِ رحمتِ حق کے لئے کافی ہے محشر میں
گلِ عصیاں کو زیبِ طُرۂ دستار کر لینا

وہ دن اب یاد آتے ہیں بہارِ خونفشانی کے
وہ میرا جیب کو، دامن کو بھی گلنار کر لینا

یہ کیا ایذا پسندی ہے کہ حسرت عشقِ جاناں میں
تجھے ہر عقدۂ آساں کو بھی دشوار کر لینا

☆ ☆ ☆

بجا ہے عاشقی میں ہم کو دعویٰ سرفرازی کا
کہ نکلا ہے ہمیں سے نام تیری دِلنوازی کا

رہے گا حشر تک افسانہ باقی عشق بازوں میں
ہماری جاں فِشانی کا، تمہاری بے نیازی کا

ملامت ہائے ظاہر سے میں بے غم ہُوں کہ باطن میں
مِلا ہے سلسلہِ حُسنِ حقیقی سے مجازی کا

مِٹا کر مجھ کو تکلیفیں مِٹا دیں سب محبت کی
ادا اُس بے وفا نے کر دیا حق چارہ سازی کا

یہ آخر تاکجا مشقِ جفا کچھ حد بھی ہے ظالم
زمانا ہوگیا پامال تری ترکِ تازی کا

مصیبت اُس کو راحت ہے، فراغت اُس کو زحمت ہے
مزا کچھ دل کو ایسا پڑ گیا ہے عشق بازی کا

نظر بازی کی حسرت خُو بُری ہے ورنہ لوگوں میں
بہت شُہرا سُنا تھا ہم نے تیری پاکبازی کا

☆ ☆ ☆

دل کی جو ترکِ عشق سے حالت بدل گئی
وہ بے خودی و خرمیِ بے خلل گئی

تجھ کو فلک نے مجھ سے چھڑایا تو کیا ہوا
کیا تری یاد بھی مرے دل سے نکل گئی

آہ اُس سے نارسا ہی جو رہتی تو خوب تھا
کیوں اُس حریمِ عیش میں یوں بے محل گئی

سودا ہی وہ نہیں ہے جو سر سے چلا گیا
حسرت ہی وہ نہیں ہے جو دل سے نکل گئی

اب دل ہے اور فراغِ محبت کی راحتیں
تشویشِ زندگانی و فکرِ اجل گئی

آہ اُس نگاہِ مست کی شوخی جو بے خبر
خوبی پہ روئے یار کے پھلے پھل گئی

رنگینیوں کی جان ہے وہ پائے نازنین
مری نگاہِ شوق جہاں سر کے بل گئی

اچھا ہے گوشہ گیرِ قناعت ہوئے جو ہم
تکلیف ہم نشینیِ اہلِ دول گئی

حسرت یہ دورِ جہل ہے دولت کو ہے فروغ
اب ہم سے قدر دانیِ علم و عمل گئی

☆ ☆ ☆

تجھ سے گرویدہ اک زمانہ رہا
کچھ فقط میں ہی مبتلا نہ رہا

آپ کو اب ہوئی ہے قدرِ وفا
جب کہ میں لائقِ جفا نہ رہا

جَلد سن لی مرے خدا نے مری
صبر کو شکوہِ دُعا نہ رہا!

راہ و رسم وفا وہ بھول گئے
اب ہمیں بھی کوئی گِلہ نہ رہا

حُسن خود ہوگیا غریب نواز
عِشق محتاجِ اِلتجا نہ رہا

لسبکہ نظّارہ سوز تھا وہ جمال
ہوشِ نظارگی بَجا نہ رہا

میں کبھی تجھ سے بدگماں نہ ہوا
تو کبھی مجھ سے آشنا نہ رہا

آپ کا شوق بھی تو اب دل میں
آپ کو یاد کے سِوا نہ رہا

میرے پہلو میں دل رہا جب تک
نظرِ یار کا نشا نہ رہا!

اور بھی ہوگئے وہ غافلِ خواب
نالۂ صبح نارسا نہ رہا!

حُسن کا ناز عاشقی کا نیاز
اب تو کچھ بھی وہ ماجرا نہ رہا

عِشق جب شکوہ سنجِ حُسن ہُوا
التجا ہوگئی —— گِلا نہ رہا

ہم بھروسے پر اُن کے بیٹھ رہے
جب کِسی کا بھی آسرا نہ رہا

میرے غم کی ہوئی انہیں بھی خبر
اب یہ دردِ لا دوا نہ رہا

آرزو تری برقرار رہے
دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا

ہوگئے ختم مُجھ پہ جورِ فلک
اب کوئی موردِ بَلا نہ رہا

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

☆ ☆ ☆

جہاں دیکھو وہاں اک فتنہ برپا ہے محبت کا
تمہارا حُسن ہے یا کوئی پُرکالہ ہے آفت کا

مُقابل ہوں کشا کشہائے شوقِ بے نہایت کا
وہی میں بیٹھنے والا جو تھا کنجِ سلامت کا

وہ آئے بر سرِ بالیں تو مجھ کو بھی یقین آیا
نہ تھا قائل میں اب تک جذبِ الفت کی کرامت کا

تمہارے جورِ بے پرواہ کو بھی اِک دن سُنانا ہے
فسانہ رشتۂ حُسن و محبت کی نزاکت کا

دیارِ عشق کی جانب چلے ہم بے خبر ہو کر
خیال آیا مصیبت کا نہ آفت کا نہ زحمت کا

نظر کی طرح حسرت مجھ کو بھی اِک آہ کافی ہے
خلاصہ کس قدر میں نے کیا ہے رنجِ فرقت کا

☆ ☆ ☆

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہُوا
ہم سے پھر بھی ترا گِلا نہ ہُوا

ایسے بِگڑے کہ پھر جفا نہ کی
دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہُوا

جان عاشق نثارِ دوست ہوئی
شادیِ مرگ کا بہانہ ہُوا

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مُدّعا نہ ہُوا

ترے اُس التفات کا ہُوں غلام
جو ہُوا بھی تو برملا نہ ہُوا

حُسن کی شان سادگی سے بڑھی!
طُرۂ زلف گر دوتا نہ ہوا

کچھ عجب چیز ہے وہ چشمِ سیاہ
تیر جس کا کبھی خطا نہ ہُوا

رُو بُرو اُن کے کچھ نہیں معلوم!
کیا ہُوا بے خودی میں کیا نہ ہُوا

حیف ہے اُس کی بادشاہی پر
تیرے کوچے کا جو گدا نہ ہوا

خُم کے خُم غیر لے گئے ساقی
ہم کو اِک جام بھی عطا نہ ہوا

مر مِٹے ہم، تو مِٹ گئے سب رنج
یہ بھی اچھا ہُوا بُرا نہ ہوا!

ڈر گیا اُس نگاہِ برہم سے
دل کو یارائے اِلتجا نہ ہُوا

جب تلک مرے دل میں جان رہی
دردِ مایوسِ مرحبا نہ ہُوا

مل گئی مجھ کو صبرِ عشق کی داد
وہ جو شرمندہِ جفا نہ ہوا

قانعِ رنجِ عشق تھا حسرتؔ
عیشِ دنیا سے آشنا نہ ہوا

☆ ☆ ☆

یوں تو عاشق ترا زمانہ ہوا
مجھ سا جاں باز دوسرا نہ ہوا
خود بخود بُوئے یار پھیل گئی
کوئی منت کش صبا نہ ہوا
میں گرفتارِ الف صیاد!
دام سے چُھٹ کے بھی رہا نہ ہوا
ہجر میں جانِ مضطرب کو سکوں
آپ کی یاد کے سِوا نہ ہوا
رہ گئی ترے فقر عشق کی شرم
میں جو محتاجِ اغنیا نہ ہوا
خبر اس بے خبر کی لا دیتی
تجھ سے اِتنا بھی اے صبا نہ ہوا
اُن سے عرضِ کرم تو کیا کرتے
ہم سے خود شکوہِ جفا نہ ہوا
ہو کے بے خود کلام حسرت سے
آج غالب غزل سَرا نہ ہوا

☆☆☆

جو راہِ غم میں تیرا پائمال ہو نہ سکا
وہ باریاب مقامِ کمال ہو نہ سکا

اُنہیں تمنا کے بھی اظہارِ حال ہو نہ سکا
قبولِ عُذر سے رفعِ ملال ہو نہ سکا

جفا سے باز نہ آئے تم اور کیوں آتے!
کہ ہم سے ترکِ وفا کا خیال ہو نہ سکا

وہ جب ملے تو مجھے شادمانِ غم پایا!
میرے ملال سے اُن کو ملال ہو نہ سکا

قبول سب نے وہی کی، سُنی جو آپ سے بات
کسی کو حوصلہِ قیل وقال ہو نہ سکا

وہ ابتدائے محبت وہ انتہا کے مزے
کہ جس میں پڑ کے خیالِ مآل ہو نہ سکا

کہاں سے آئی خدا جانے زلف یار کی بُو
کچھ امتیاز نسیم و شمال ہو نہ سکا

بڑھا تو خوب مگر بارِ عاشقی کا جلال
حریفِ جلوۂ نورِ جمال ہو نہ سکا

جنونِ عشق میں حیرت سے کچھ کمی نہ ہوئی
وہ رنگ رُخ جو اُڑا تھا بحال ہو نہ سکا

حضورِ یار گئے بھی تو کیا ہُوا حسرتؔ
سلام کر نہ سکے ہم سوال ہو نہ سکا

☆☆☆

یاس کا دل پہ کچھ اثر نہ ہوا
قصۂ شوق مختصر نہ ہوا

حُسن کو عشق سے مفر نہ ہوا
لاکھ چاہا کہ ہو ــــ مگر نہ ہوا

عاشقی اُس کی معتبر نہ ہوئی
جو تیرا بندۂ نظر نہ ہوا

نہ کُھلے ہم سے آپ پر، نہ کُھلے
نہ ہُوا اعتبار، پر نہ ہوا

حالِ دل کی اُنھیں خبر نہ ہوئی
طائرِ شوق نامہ بر نہ ہوا

صرفِ دشمن و لُطف ہو اے وائے
جو کبھی میرے حال پَر نہ ہوا

کچھ نہ آیا ہمیں تو کیا اے عشق
یہ بھی اِک طرح کا ہُنر نہ ہوا

صدمہ پہنچا جو تجھ سے اے غمِ عشق
نفعِ جاں ہو گیا ضرر نہ ہوا

کچھ عجب چیز ہے وہ حُسن عفیف
جو کبھی فِتنہ نظر نہ ہوا

تم لبِ بام جلوہ گر نہ ہوئے
میں سرِ راہ بے خبر نہ ہوا

تابِ نظارہ دِگر نہ رہی
حُسن پر غلبۂ بصر نہ ہوا

ہے جہاں مدفن شہیدِ وفا
واں کبھی آپ کا گُزر نہ ہوا

رہ گئی شرمِ بے کسی حسرت
مجھ پہ احسانِ اہلِ زر نہ ہوا

☆☆☆

خیلِ خُوباں میں گو جمیل ہیں سب
پر ترے حُسن کے قتیل ہیں سب

ظرفِ عالی معاندوں میں کہاں!
سب دُکاندار ہیں ذلیل ہیں سب

جلوہِ حق سے بے خبر زاہد
محوِ تسنیم و سلسبیل ہیں سب

ہجر کے دن فراق کی راتیں!
کاٹے کٹتی نہیں طویل ہیں سب

رُو بُروّ ترے حُسن خوباں کے
جتنے دعوے ہیں بے دلیل ہیں سب

فیضِ تاثیرِ عشق سے حسرت
تیرے اشعار بے عدیل ہیں سب

☆ ☆ ☆

کیوں نہ ہُوا اپنے اشتیاق میں فرق
آگیا آپ کے مذاق میں فرق

مجھ سیہ بخت کے لئے نہ رہا!
روزِ ہجر و شبِ فراق میں فرق

تم جو ہم سے ملے تو وہ بھی رہا!
نہ ہُوا غیر کے نفاق میں فرق

ہوگیا ہم میں اُن میں فرق مگر
نہ ہُوا شوق و اشتیاق میں فرق

یاد رہنے لگی تری ہر دم!
آگیا صدمۂ فراق میں فرق

جب ملے وہ، ملی نظر سے نظر
نہ پڑا حُسنِ اتفاق میں فرق

☆☆☆

جفا کو وفا سمجھیں کب تک بھلا ہم
اب ایسے بھی اُن کے نہیں مُبتلا ہم

عجب ہیں یہ راز و نیازِ محبت
خفا کیوں ہوئے وہ ہیں اُس پر خفا ہم

نہ شیریں و لیلیٰ نہ فرہاد و مجنوں!
زمانے میں اب ایک یا تم ہو یا ہم

یہ کیا مُنصفی ہے کہ محفل میں تیری
کسی کا بھی ہو جرم، پائیں سزا ہم

ترے جور کا ہے تقاضا کہ دیکھیں
ابھی کچھ دنوں اور راہِ قضا ہم

غریبوں سے کہتی ہے رحمت یہ اُن کی
کہ ہیں بے نواؤں کے حاجت روا ہم

تری راہ میں مر مٹیں بھی تو کیا ہے
فنا ہو کے پائیں گے عیشِ بقاء ہم

تری خوئے برہم سے واقف تھے پھر بھی
ہوئے مفت شرمندۂ التجا ہم

امیری میں ہو یا فقیری میں حسرت
بہرحال ڈھونڈیں گے اُن کی رضا ہم

☆ ☆ ☆

کیسے چھپاؤں رازِ غم، دیدۂ تر کو کیا کروں
دل کی تپش کو کیا کروں سوزِ جگر کو کیا کروں۔

غم کا نہ دل میں ہو گزر وصل کی شب ہو یوں بسر
سب یہ قبول ہے مگر خوفِ سحر کو کیا کروں

دل کی ہوس بڑھا تو دی ان کی جھلک دکھا تو دی
پر یہ کہو کہ شوق کی "بارِدگر" کو کیا کروں

شورشِ عاشقی کہاں اور مری سادگی کہاں
حُسن کو تیرے کیا کہوں اپنی نظر کو کیا کروں

حسرتِ نغمہ گو ترا کوئی نہ قدر داں ملا!
اب یہ بتا کہ میں ترے عرضِ ہُنر کو کیا کروں

☆ ☆ ☆

پیروِ مسلکِ تسلیم و رضا ہوتے ہیں
ہم تری راہِ محبت میں فنا ہوتے ہیں
شرم کر شرم کہ اُسے جذبۂ تاثیرِ وفا
ترے ہاتھوں وہ پشیمانِ جفا ہوتے ہیں
چھیڑتی ہے مجھے بے باکیِ خواہش کیا کیا!
جب کبھی ہاتھ وہ پابندِ حنا ہوتے ہیں
نہ اثر آہ میں کچھ ہے نہ دعا میں تاثیر!
تیر ہم جتنے چلاتے ہیں خطا ہوتے ہیں
اہل دل سنتے ہیں اک سازِ محبت کی نوا
ہم تری یاد میں جب نغمہ سرا ہوتے ہیں
لذتِ دَرد نہ کیوں اہلِ ہوس پر ہو حرام
کہ وہ کم بخت طلب گارِ دوا ہوتے ہیں
کشورِ عشق میں دنیا سے نرالا ہے رواج
کام جو بن نہ پڑیں یاں وہ روا ہوتے ہیں
جسم ہوتا ہے جُدا جان سے گویا حسرتؔ
آسمان اُن سے چھُڑاتا ہے جُدا ہوتے ہیں

☆☆☆

ترے عاشق جو گرفتارِ بلا ہوتے ہیں
قیدِ افکار سے فی الجملہ رِہا ہوتے ہیں
اب جو بگڑے تو خوشامد نہ کریں گے ہم بھی
کہ منانے سے وہ کچھ اور خفا ہوتے ہیں
بے کہے محسن سے کہہ جائیں گے ہم شوق کی بات
کچھ یونہی خوب مطالب یہ ادا ہوتے ہیں
ڈرتے رہتے ہیں کہ پہنچے نہ کہیں تجھ کو گزند
آہ کے بعد ہی ہم صرفِ دعا ہوتے ہیں
بات کیا ہے کہ شہِ عشق کے منظور نظر
جب کبھی ہوتے ہیں ترے ہی گدا ہوتے ہیں
یا تو ملتا نہیں ساقی سے ہمیں ایک بھی جام
یا جو ہوتے ہیں تو اک ساتھ عطا ہوتے ہیں
کامیابی رہِ حق میں ہے مسلّم اُن کی
جو فنا ہو کے سزاوارِ بقا ہوتے ہیں
گر یہی آپ کی مرضی ہے تو خوش ہیں ہم بھی
لیجئے آج سے بے خوفِ سزا ہوتے ہیں

☆ ☆ ☆

غمِ زمانہ سے دل کو فراغ باقی ہے
ہنوز اُن کی محبت کا داغ باقی ہے

نہ عیش کا نہ کچھ ارباب عیش کا ہے پتا
نہ خانۂ باغ نہ تفریحِ باغ باقی ہے

مسافرانِ فنا کے نشان پا سے ہنوز
مقامِ اہلِ وفا کا سراغ باقی ہے

عبث ہیں سب یہ تقاضے ترے نسیمِ بہار
یہاں کسے ہوسِ باغ و زاغ باقی ہے

نہیں جو قدر زمانے میں لحنِ بلبل کی
ہنوز غلغلۂ بوم و زاغ باقی ہے

وہ ایک بار جو سونگھی تھی زلفِ یار کی بُو
سو روح آج تلک تر دماغ باقی ہے

دلِ فسردۂ حسرت میں اب وہ بات کہاں
شرابِ جوش کا خالی ایاغ باقی ہے

☆☆☆

تاثیرِ برقِ حُسن جو اُن کے سخن میں تھی!
اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تری انجمن میں تھی

اک رنگ التفات بھی اُس بے رخی میں تھا
اک سادگی بھی اس نگہ سحرِ فن میں تھی

محتاجِ بوئے عطر نہ تھا جسم خوب یار
خوشبوئے دلبری تھی جو اُس پیرہن میں تھی

کچھ دل ہی بُجھ گیا ہے مرا ورنہ آج کل
کیفیتِ بہار کی شدّت چمن میں تھی

معلوم ہوگئی مرے دل کو زراہِ شوق!
وہ بات پیار کی جو ہنوز اُس دہن میں تھی

غُربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی
جو روشنی کہ شامِ سوادِ وطن میں تھی

اچھا ہوا کہ خاطرِ حسرتؔ سے ہٹ گئی!
ہیبت سی اک جو خطرۂ دار و رسن میں تھی

☆ ☆ ☆

پایا کہیں جو شکوۂ گزارِ جفا مجھے
بولے وہ ہنس کے آپ نے یہ کیا کہا مجھے

نزدیک ہے کہ اُن کے تغافل سے ہار کر
کرنی پڑے عتاب کی بھی التجا مجھے

منشاءِ ناز یار یہی ہے کہ عمر بھر
رکھے نیاز مند مجھے، مبتلا مجھے

افسردگی کے رنگ یہی ہیں تو ایک دن
پھر دردِ دل کی مانگنی ہوگی دعا مجھے

کہتے ہیں یوں وہ قصہ فرہاد بار بار!
گویا سُجھا رہے ہیں طریقِ وفا مجھے

میں اُن سے عفوِ جُرم کی درخواست کیا کروں
معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے

حسرت میں کیا بتاؤں کہ بھاتی ہے کس قدر
شہر و دیارِ یار کی آب و ہوا مجھے

☆☆☆

ہونا پڑے جو آپ کے در سے جُدا مجھے
دنیا میں اُس گھڑی کو نہ رکھے خدا مجھے
اِس عاجزی سے کیوں میں ہُوا روبروئے یار
اُس نے جھڑک دیا جو سمجھ کر گدا مجھے
کیا کہیے عرضِ حال پہ ہنس کر جو وہ کہیں!
دیکھو اِنہیں! یہ دیں گے فریبِ وفا مجھے
افسوس کی ہے جا کہ عدو چاہے اور
کرنا پڑے تمہارے ستم کا گِلہ مجھے
بے وجہ تم جو بیٹھ رہے ہو کے بے خبر
آخر یہ کس خطا کی ملی ہے سزا مجھے
اقرارِ وصل جس میں کیا تھا حضور نے
اب تک وہ یاد ہے سخن دل کُشا مجھے
بُھولے سے وہ ادھر بھی جو آنکلے تھے کہیں
اُس دن کا بھولتا ہی نہیں ماجرا مجھے
حسرؔت یہ کس کے حُسنِ محبت کا ہے کمال!
کہتے ہیں سب جو شاعرِ رنگین ادا مجھے

☆ ☆ ☆

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

ہر نغمے نے اُنہیں کی طلب کا دیا پیام
ہر ساز نے اُنہیں کی سنائی صدا مجھے

ہر بات میں اُنہیں کی خوشی کا رہا خیال
ہر کام سے غرض ہے اُنہیں کی رضا مجھے

رہتا ہوں غرق اُن کے تصور میں روزوشب
مستی کا پڑ گیا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

رکھیے نہ مجھ پہ ترکِ محبت کی تہمتیں
جس کا خیال تک بھی نہیں ہے روا مجھے

کیا کہتے ہو کہ اور لگا لو کسی سے دل
تم سا نظر بھی آئے کوئی دوسرا مجھے

بیگانۂ ادب کیے دیتی ہے کیا کروں
اُس محوِ ناز کی نگہ آشنا مجھے

اُس بے نشاں کے ملنے کی حسرت ہوئی امید
آبِ بقا سے بڑھ کے ہے زہرِ فنا مجھے

☆☆☆

محبت کے عوض رہنے لگے ہر دم خفا مجھ سے
کہو تو ایسی کیا سرزد ہوئی آخر خطا مجھ سے

ملیں بھی وہ تو کیونکر آرزو بر آئے گی دل کی
نہ ہوگا خود خیال اُن کو نہ ہوگی التجا مجھ سے

قرار آتا نہیں دل کو کسی عنوان پہلو میں
ہُوا ہے آشنا جب سے وہ کافر ماجرا مجھ سے

غنیمت ہے جہانِ عاشقی میں ذات دونوں کی!
کہ نام جور قائم تم سے ہے رسمِ وفا مجھ سے

مگر سیر چمن کو آج وہ پھر آنے والے ہیں
ابھی کچھ کہہ رہی تھی کان میں بادِ صبا مجھ سے

محبت بھی عجب شے ہے کہ باوصف شناسائی
نہیں ہوتی مخاطب وہ نگاہِ آشنا مجھ سے

تقاضا ہے یہی خوئے نیازِ عشق بازی کا
نہ ہوگا اس سراپا ناز کا حسرت گِلا مجھ سے

☆ ☆ ☆

اُن کو جو شغلِ ناز سے فرصت نہ ہو سکی
ہم نے یہ کہہ دیا کہ محبت نہ ہو سکی

شکرِ جفا بھی اہلِ رضا نے کیا ادا
اُن سے یہی نہیں کہ شکایت نہ ہو سکی

شب کا یہ حال ہے کہ تری یاد کے سوا
دل کو کسی خیال سے راحت نہ ہو سکی

پابوس کو بھی ہم کو اجازت نہ دے سکے
اتنی بھی تم سے قدرِ محبت نہ ہو سکی

خاموشیوں کا راز محبت وہ پا گئے
گو ہم سے عرضِ حال کی جرات نہ ہو سکی

کر دی زبانِ شوق نے سب شرحِ آرزو
الفاظ میں گرچہ صراحت نہ ہو سکی

لطفِ مزید کی میں تمنا تو کر سکا!
تم یہ تو کہہ سکے کہ قناعت نہ ہو سکی

☆☆☆

کیوں اتنی جلد ہوگئے گھبرا کے ہم فنا
اے دردِ یار کچھ تری خدمت نہ ہو سکی

واعظ کو اپنے عیب ریا کا رہا خیال
رِندوں کی صاف صاف مذمت نہ ہو سکی

ارباب قال حال پہ غالب نہ آ سکے
زاہد سے عاشقوں کی امامت نہ ہو سکی

ایسا بھی کیا عتاب، کہ ساقی بچی کھچی
آخر میں کچھ بھی ہم کو عنایت نہ ہو سکی

اُن سے میں اپنے دل کا تقاضا نہ کر سکا
یہ بات تھی خلافِ مروت نہ ہو سکی

کیوں آئے ہوش میں جو عبادت نہ کر سکے
پیرِ مغاں کی ہم سے اطاعت نہ ہو سکی

حسرت تری نگاہِ محبت کو کیا کہوں؟
محفل میں رات اُن سے شرارت نہ ہو سکی

☆ ☆ ☆

سرِ حشر اُن سے پھر صاحب سلامت ہونیوالی ہے
ابھی اک اور بھی برپا قیامت ہونے والی ہے

تمہارے حُسن کو جو کچھ بھی شہرت ہونے والی ہے
جو سچ پوچھو تو میری ہی بدولت ہونے والی ہے

حجاب اُس مست کی آنکھوں سے رخصت ہونیوالا ہے
مجھے ہر بات کی حاصل اجازت ہونے والی ہے

دمِ آخر مجھے دیکھا تو نادم ہو کے فرمایا
کسے معلوم تھا تیری یہ حالت ہونے والی ہے

خدا جانے عدو سے مشورے کیا ہوتے رہتے ہیں
نئی شاید کوئی مجھ پر عنایت ہونے والی ہے

وہ ازراہِ عطا مجھ پر کرم فرمانے والے ہیں
مری شامِ الم، صبحِ مسرت ہونے والی ہے

تمنا کی بہت اچھی نہیں بیباکیاں حسرت
سنا ہے اُن سے پھر تیری شکایت ہونے والی ہے

☆ ☆ ☆

محبت کیوں کرو گر ہو نہیں سکتی وفا مجھ سے
یہ تم نے کیا کہا مجھ کو یہ تم نے کیا کیا مجھ سے

سمجھ رکھا ہے مجبورِ وفا کوشی جو ظالم نے
ملا کرتا ہے کس کس ناز سے وہ بے وفا مجھ سے

محبت کی بھی کیا تاثیر ہے بے تاب ہیں دونوں
ہُوا ہے خاتمہ ان پر، ہوئی تھی ابتدا مجھ سے

بتانِ ماہِ رو کے حُسن پر ایمان لایا ہوں!
اُنہیں کو دیکھ کر ہوتی ہے اب یادِ خدا مجھ سے

کہیں دشمن سے بے شک مل کے وہ بیباک آئے ہیں
جبھی بے اختیار آج ان کو آتی ہے حیا مجھ سے

چُھپاتے ہیں جسے وہ پردۂ بے اعتنائی میں
محبت کہہ رہی ہے حال اسی کا برملا مجھ سے

تُمھارے منہ سے یہ تکرار بھی پُر لطف ٹھہرے گی
وہی باتیں سہی جو کر چکے ہو بارہا مجھ سے

یہ نازِ بے رُخی دیکھو کہ بزمِ غیر میں گویا
شناسا ہوں نہ میں اُن کا نہ ہیں وہ آشنا مجھ سے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا انداز ہے تیرا
کبھی ہٹ بیٹھنا مجھ سے، کبھی کُھل کھیلنا مجھ سے

خیال ایک اُن کا باقی تھا سو باقی اب بھی ہے حسرتؔ
شبِ غم اور کیا لینے کو آئی تھی قضا مجھ سے

☆ ☆ ☆

خانقہ سے تا درِ پیرِ مغاں لے جائے گا
دل کہاں سے مجھ کو لایا ہے کہاں لے جائے گا

اب تو فرقت میں تڑپنا بھی نہیں ممکن کہ تو
میری تاثیرِ محبت پر گماں لے جائے گا

عاشقوں کے ہوں گے راہِ یار میں کیا کیا ہجوم
شوق جن کو کارواں در کارواں لے جائے گا

جس قدر چاہیں چھپا کر دل کو ہم رکھیں مگر
جب وہ آئے گا تو اک دن ناگہاں لے جائے گا

ان کی محفل میں جسے لے جائے گا بختِ رسا
کامیاب و کامران و شادماں لے جائے گا

ہم ضعیفانِ محبت کا پہنچنا تھا محال
منزلِ مقصود تک وہ نوجواں لے جائے گا

قدر ہوگی میرے ضبطِ شوق کی اس دم عیاں
جب منا کر خود مجھے وہ جانِ جاں لے جائے گا

عشق نقدِ دل کے بدلے حسن کے بازار سے
مفت گویا درد کی جنسِ گراں لے جائے گا

رائیگاں حسرت نہ جائیگا میرا مُشتِ غبار!
کچھ زمیں لے جائے گی کچھ آسماں لے جائے گا

☆ ☆ ☆

کبھی کی تھی جو، اب دَوا کیجئے گا
مجھے پوچھ کر آپ کیا کیجئے گا

مرے دعویِٰ بے نیازی کو سن کر
ہنسے وہ کہ پھر التجا کیجئے گا

وہ شوخی سے کہتے ہیں کہئے تو مطلب
اشاروں میں کب تک ادا کیجئے گا

تغافل میں شانِ جفا پھر ہے شاید
محبت کی پھر ابتدا کیجئے گا

رقیبوں سے کب تک نہ ملئے گا صاحب
کہاں تک ہمارا کہا کیجئے گا

وہ کہنا ترا یاد ہے وقتِ رخصت
کبھی خط بھی ہم کو لکھا کیجئے گا

جوانی میں عشقِ بُتاں بس ہے حسرت
بڑھاپے میں یادِ خدا کیجئے گا

☆ ☆ ☆

عشقِ بُتاں کو جی کا جنجال کر لیا ہے
آخر میں نے اپنا کیا حال کر لیا ہے

سنجیدہ بن کے بیٹھو اب کیوں نہ تم کہ پہلے
اچھی طرح سے مجھ کو پامال کر لیا ہے

نادم ہوں جان دیکر آنکھوں کو تُو نے ظالم
رو رو کے بعد میرے کیوں لال کرلیا ہے

تعزیرِ دل میں اتنی شدّت نہ کر جب اس نے
خود جُرمِ عاشقی کا اقبال کر لیا ہے

کیا کیا ہے شوقِ نازاں، حسرت کہیں جو خوشبو
اُن کی جبینِ تر سے رومال کر لیا ہے

اوَر بھی ہوگئے بیگانہ وہ غفلت کر کے
آزمایا جو اُنہیں ضبطِ محبت کر کے

دیکھنے آئے تھے وہ اپنی محبت کا اثر
کہنے کو یہ ہے کہ آئے ہیں عیادت کر کے

پستیِ حوصلہ شوق کی اب ہے یہ صلاح
بیٹھ رہیئے غمِ ہجراں پہ قناعت کر کے

دل نے پایا ہے محبت کا یہ عالی رُتبہ!
آپ نے دردِ دوا کار کی خدمت کر کے

ق

رُوح نے پائی ہے تکلیفِ جدائی سے نجات
آپ کی یاد کو سرمایہ راحت کر کے

چھیڑ سے اب وہ یہ کہتے ہیں کہ سنبھلو حسرتؔ
صبروتابِ دلِ بیمار کو غارت کر کے

☆☆☆

خُو سمجھ میں نہیں آتی ترے دیوانوں کی
دامنوں کی نہ خبر ہے نہ گریبانوں کی

جلوۂ ساغر و مینا ہے جو ہمرنگ بہار
رونقیں طرفہ ترقی پہ ہیں مے خانوں کی

ہر طرف بے خودی و بے خبری کی ہے نمود
قابل دید ہے دنیا ترے حیرانوں کی

سہل اس سے تو یہی ہے کہ سنبھالیں دل کو
منتیں کون کرے آپؐ کے دربانوں کی

آنکھ والے تری صورت پہ مٹے جاتے ہیں
شمعِ محفل کی طرف بھیڑ ہے پروانوں کی

اے جفا کار ترے عہد سے پہلے تو نہ تھی
کثرت اس درجہ محبت کے پشیمانوں کی

رازِ غم سے ہمیں آگاہ کیا خوب کیا
کچھ نہایت ہی نہیں آپ کے احسانوں کی

دشمنِ اہلِ مروت ہے وہ بیگانۂ انس!
شکلِ پریوں کی ہے خُو بھی نہیں انسانوں کی

ہمرہِ غیر مبارک انہیں گلگشتِ چمن
سَیر ہم کو بھی میّسر ہے بیابانوں کی

فیضِ ساقی کی عجب دھوم ہے میخانوں میں
ہر طرف مے کی طلب' مانگ ہے پیمانوں کی

عاشقوں ہی کا جگر ہے کہ ہیں خرسند جفا
کافروں کی ہے یہ ہمت نہ مسلمانوں کی

یاد پھر تازہ ہوئی حال سے تیرے حسؔرت
قیس و فرہاد کے گزرے ہوئے افسانوں کی

شوقِ وصالِ یار کے قابل بنا دیا
دل کیا تھا عاشقی نے اُسے دل بنا دیا

دے دے کے مفت جان شہیدانِ عشق نے
اُس نازنیں کو شاہدِ قاتل بنا دیا

شوقِ بقائے یار نے راہ مراد میں
سختی کو رشکِ نرمی منزل بنا دیا

دل کو جمال یار کے فیضان عشق نے
قندیلِ عرشِ حق کے مماثل بنا دیا

آخر فراغتِ غمِ دل نے ہوس کو بھی
کونین کے خیال سے غافل بنا دیا

لیلائے عشق دوست کی خاطر بجائے دل
جب ہم چلے تو روح کو محمل بنا دیا

کیا چیز تھی وہ مرشدِ وہاب کی نگاہ
حسرتؔ کو جس نے عارفِ کامل بنا دیا

☆ ☆ ☆

آئی جو اُن کی یاد مرا دل ٹھہر گیا
دعویٰ غمِ فراق کا باطل ٹھہر گیا

تیرِ نگاہِ یار کا مشکل ہے سامنا
میرا ہی تھا جگر کہ مُقابل ٹھہر گیا

ہم سر جُھکا چکے تھے، علم ہو چکی تھی تیغ
پھر کیا کیا خیال کہ قاتل ٹھہر گیا

دل خوش ہوا جو آپ ہوئے مائلِ ستم
یعنی میں التفات کے قابل ٹھہر گیا

دل کو ولائے یار پہ حاصل ہوا قیام
پایا جو اس جہاز نے ساحل ٹھہر گیا

خواب و خیال ہوگئیں اگلی وہ صحبتیں
پھیرا بھی اس نواح کا مُشکل ٹھہر گیا

فرزانگی قصور ہے دنیائے عشق میں
دیوانہ جو ہُوا وہی کامل ٹھہر گیا

بیچارگی میں رٹ جو لگی ان کے نام کی
تسکینِ جانِ زار ہوئی دل ٹھہر گیا

اچھا ہُوا کہ مملکتِ حُسن و عشق میں
حسرتؔ وہ پادشاہ، میں سائل ٹھہر گیا

☆ ☆ ☆

ہر درد ہر مرض کی دوا ہے تمہارے پاس
آتے ہیں سب یہیں کہ شفا ہے تمہارے پاس

پھیلائی ہے اُسیٰ نے مرے دردِ دل کی بات
غمّاز اک جو بادِ صبا ہے تمہارے پاس

کس کس خوشی سے ہوتے ہیں لوگوں کے دل اسیر
کیا چیز دامِ زلف دوتا ہے تمہارے پاس

سمجھاؤ لاکھ' دل کو پر آتا نہیں قرار
اُس کا بھی کچھ علاج بھلا ہے تمہارے پاس

سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولتِ یقیں
لوحِ طلسمِ بیم و رجا ہے تمہارے پاس

کیونکر پہنچ سکے گی مرے حال کی خبر
کتنا ہجومِ نازوادا ہے تمہارے پاس

اقرار ہے کہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں ہم
کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمہارے پاس

مارو کہ اب جلاؤ ہمیں تم ہے اختیار
سر رشتۂ فنا و بقا ہے تمہارے پاس

اب کوئی کیا کرے دلِ گُم گشتہ کی تلاش
سب کہتے ہیں یہی کہ سنا ہے تمہارے پاس

حسرتؔ کرو نہ دل میں زیارت حضور کی
آئینۂ رسولؐ نما ہے تمہارے پاس

☆ ☆ ☆

کچھ مرے حال زار کی ان کو خبر نہیں
کیا ہو جو میں ہی جا کے سنا دوں مگر نہیں

اک آفتابِ حُسنِ درخشاں ہے وہ جمال
دیکھے اسے بغور یہ تاب نظر نہیں

پہلو میں دل کو پوچھ رہی ہے نگاہ یار
کیا جانے اب کوئی وہ کدھر ہے کدھر نہیں

کب تھے وہ مرے حال سے اِس درجہ بے خبر
کیوں کر کہوں میں نالہ دل میں اثر نہیں

ہم بے کسوں کو قتل جو کرتا ہے بے گناہ
کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں

پرسش ہے مرے حال کی یارب جو روزِ حشر
اتنا بھی اب یہ قصہ غم مختصر نہیں

ہو یار تک رسائی حسرت نہ کیوں محال
اُس محفلِ سرور میں غم کا گزر نہیں

☆ ☆ ☆

یہ کس بزم کے ہم نکالے ہوئے ہیں!
کہ محرومیوں کے حوالے ہوئے ہیں

وہ اب آئیں محفل میں سب اہل محفل!
خبردار ہیں' دل سنبھالے ہوئے ہیں

فریبِ وفا آپ دیتے ہیں کس کو!
یہ جلوے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں

وہ بے پردہ سوتے ہیں' ظاہر میں لیکن
دوپٹہ یوں ہی منہ پہ ڈالے ہوئے ہیں

محبت کی خوشبو سے بدمست یکسر
تری شال تیرے دو شالے ہوئے ہیں

یہ کیا جانے زاہد کہ اے آب رحمت
مرے جام تیرے کھنگالے ہوئے ہیں

ضیا بارِیِ عشقِ جاناں سے حسرت
اندھیرے دلوں کے اجالے ہوئے ہیں

☆ ☆ ☆

نہ سہی گر اُنہیں خیال نہیں
کہ ہمارا بھی اب وہ حال نہیں

یاد اُنہیں وعدہ وصال نہیں
کب کیا تھا' یہی خیال نہیں

ایسے بگڑے وہ سُن کے شوق کی بات
آج تک ہم سے بول چال نہیں

مجھ کو اب غم یہ ہے کہ بعد مرے
خاطر یار بے ملال نہیں

عفوِ حق کا مے کشوں پہ نزول
ریزشِ ابر برشگال نہیں

ہم پہ کیوں عرضِ حالِ دل پہ عتاب
ایلچی کو کہیں زوال نہیں

سُن کے وہ خواہشِ پابوس
ہنس کے کہنے لگے مجال نہیں

دل کو ہے یادِ شوق کا وہ ہُنر
جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں

آپ نادم نہ ہوں کہ حسرت سے
شکوۂ غم کا احتمال نہیں

☆ ☆ ☆

نامُرادوں کو شاد کام کرو
کرم پانا کبھی تو عام کرو
کارِ عاشق ہے نا تمام سو تم
قتل کر کے اسے تمام کرو
سب کی خاطر کا ہے خیال تمھیں
کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

(ق)
رات رو رو کہ جس طرح کاٹی
اسی صورت سے دن کو شام کرو
گفتگو ہیچ ہے اگر چاہو
کام' جاں کا حصول' کام کرو

(ق)
موت سے پہلے ہی زراہِ وفا
مرمٹو ، عاشقی میں نام کرو
کُھل سکے جب تلک نہ راہِ مراد
منزلِ صبر میں قیام کرو
پُوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت اُٹھو سلام کرو

کیا کام اُنہیں پرسشِ اربابِ وفا سے
مرتا ہے تو مر جائے کوئی اُن کی بلا سے

مجھ سے بھی خفا ہو' مری آہوں سے بھی برہم
تم بھی ہو عجب چیز کہ لڑتے ہو ہَوا سے

دامن کو بچاتا ہے وہ کافر کہ مبادا
چھو جائے کہیں پاکیِ خونِ شہدا سے

دیوانہ کیا ساقیِ محفل نے سبھی کو
کوئی نہ بچا اس نظرِ ہوشربا سے

قائل ہوئے زندانِ خرابات کے حسرت
جب کچھ نہ مِلا ہم کو گروہِ عرفا سے

☆☆☆

ترے درد سے جس کو نسبت نہیں ہے
وہ راحت مصیبت ہے' راحت نہیں ہے

ترے غم کی دنیا میں اے جانِ عالم
کوئی روح محرومِ راحت نہیں ہے

مجھے گرمِ نظارہ دیکھا تو ہنس کر
وہ بولے کہ اس کی اجازت نہیں ہے

جُھکی ہے تیرے بارِ عرفاں سے گردن
ہمیں سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہے

یہ ہے ان کے اِک روئے رنگیں کا پَرتو
بہارِ طلسمِ لطافت نہیں ہے

ترے سرفروشوں میں ہے کون ایسا
جسے دل سے شوقِ شہادت نہیں ہے

وہ کہتے ہیں شوخی سے ہم دلربا ہیں
ہمیں دلنوازی کی عادت نہیں ہے

شہیدانِ غم میں سبک روح کیا کیا!
کہ اس دل پہ بارِ ندامت نہیں ہے

نمونہ ہے تکمیلِ حسنِ سخن کا!!
گہر باریِ طبعِ حسرت نہیں ہے

☆ ☆ ☆

روشن جمالِ یار سے دُنیائے عشق ہے
گویا شرابِ حُسن بہ مینائے عشق ہے

اب تک تلاشِ منزلِ مقصد میں دل مرا
آوارۂ مراحلِ صحرائے عشق ہے

کہتی ہے عقل دین بھی دُنیا بھی کر طلب
اُن سب سے منہ کو موڑ یہ ایمائے عشق ہے

کیا کام اسے طریقہ اربابِ زہد سے
جو پیرو شریعتِ عزائے عشق ہے

حسرت کا ہو بُلند بھلا کیوں نہ مرتبہ
خدمت گزار حضرتِ والائے عشق ہے

☆ ☆ ☆

وہ چُپ ہوگئے مجھ سے کیا کہتے کہتے
کہ دل رہ گیا مدعا کہتے کہتے

مرا عشق بھی خود غرض ہو چلا ہے
ترے حُسن کو بے وفا کہتے کہتے

شبِ غم کس آرام سے سو گئے ہیں
فسانہ تری یاد کا کہتے کہتے

خبر اُن کو اب تک نہیں، مر مٹے ہم
دلِ زار کا ماجرا کہتے کہتے

عجب کیا جو ہے بدگماں سب سے واعظ
بُرا سنتے سنتے بُرا کہتے کہتے

وہ آئے مگر آئے کس وقت حسرت
کہ ہم چل بسے مرحبا کہتے کہتے

☆☆☆

پہلے کہیں خدا اُسے شوقِ شکار دے
پھر یہ کہ وہ ہمیں کو نشانہ قرار دے

کاہے کو گھٹنے پائیں تمنا کی شورشیں
ساغرِ عجب نہیں جو ہمیں بے شمار دے

کیا کیا نہ اُن کی یاد سے ہوں شرمسار ہم
فرصت کبھی جو کشمکشِ روزگار دے

سب اُس کے آگے ہیچ ہیں دنیا کی راحتیں
پروردگار دے تو غمِ عشق یار دے

عاشق کے رنگِ زرد پہ خونباریِ فراق
دیکھیں کبھی وہ آ کے تو کیا کیا بہار دے

حسرتؔ سے کہتے ہیں وہ بتا اپنی آرزو
اب کیا انہیں جواب یہ ناکردہ کار دے

☆ ☆ ☆

ہم پر جُنوں کی تہمتِ بے جا ابھی سے ہے
ہنگامۂ بہار کا غوغا ابھی سے ہے

حالانکہ ابتدا بھی نہیں ہے شباب کی
اُن کو کمالِ حُسن کا دعویٰ ابھی سے ہے

آنے میں اُن کے دیر ہے لیکن شبِ وصال
پیشِ نظر وہ چہرۂ زیبا ابھی سے ہے

اے عشقِ تازہ کار تری ابتدا کو ہم
جب سوچتے ہیں کہتے ہیں گویا ابھی سے ہے

ہر لحظہ دردِ ہجر کی افزوں ہیں کاوشیں
ظاہر ہجومِ غم کا نتیجہ ابھی سے ہے

برسے گا ہن بہار میں، اے پیرِ مے فروش
تری دکانِ بادہ کا شہرہ ابھی سے ہے

دیکھیں ہوس پہ دُوریِ منزل سے کیا بنے
جس کا خیالِ حوصلہ فرسا ابھی سے ہے

تم سے وہ عہدِ وصل کی اُمید کیا کرے
جو بدگمان وعدۂ فردا ابھی سے ہے

جس راہ سے وہ آنے کو ہیں آج اس طرف
شوقِ نگاہ محوِ تماشا ابھی سے ہے

بے خوف ہیں وہ کہتے ہیں کیا ہے تمھارے پاس
لے دے کے ایک تیرِ دعا ہے تمھارے پاس

بیمارِ غم ہیں دور سے آئے ہیں سن کے نام
کہتے ہیں دردِ دل کی دوا ہے تمھارے پاس

کس کو نہیں قبول کہ ہے شغلِ مے حرام
پر فصلِ گل میں ہو تو ــــــ روا ہے تمھارے پاس

روشن ہمارے دل میں بھی ہے ایک سراجِ درد
برقِ جمال کی جو ضیا ہے تمھارے پاس

اب کیا رہے گا پہلوِ حسرت میں دل بھلا
اِک عمر یہ گزار چکا ہے تمھارے پاس

☆☆☆

اب ہم میں بھلا زیست کے آثار کہاں ہیں
تم پھر بھی کہے جاؤ یہ بیمار کہاں ہیں

ہم کو یہی کیا کم ہے کہ بندے ہیں تمہارے
دعوائے محبت کے سزاوار کہاں ہیں

سجدے کیے اس در پہ اسی عذر سے لاکھوں
ہم عاشق بے خود ہیں گنہ گار کہاں ہیں

اک بار چلے جاؤ دکھا کر جھلک اپنی!
ہم جلوۂ پیہم کے طلب گار کہاں ہیں

شوق ان سے یہ کہتا ہے توجہ نہیں تم کو
بے مہر، جفا کار، دل آزار کہاں ہیں

اس حسن نظر سوز کا ہے اب تو یہ عالم
عقدے میرے سب سہل ہیں دشوار کہاں ہیں

کافر جنہیں سب کہتے ہیں مسلم ہوں نہ حسرت
کہتا ہے مرے طالب دیدار کہاں ہیں

☆ ☆ ☆

کیا کیا نہ ہجر میں ترے ناشاد کر چکے
اب یہ سمجھ کے چپ ہیں کہ وہ یاد کر چکے

نادم وہی تو آج ہیں کل بر بنائے ناز
خاکِ شہیدِ عشق جو برباد کر چکے

کہتے ہیں اب وہ تری گزارش ہے ناقبول
اک بار کر چکے جو ہم ارشاد کر چکے

رنگیں طرازیاں ہیں عضب اشکِ سرخ کی
جو دامنِ جنوں پہ ہم ایجاد کر چکے

نادم ہیں اب کمال جب ان سے بیان ہم
ساری غمِ فراق کی روداد کر چکے

حسرت وہ اب ہوئے بھی تو کیا مائلِ کرم!
جب ختم ساری سختیِ بے داد کر چکے

☆ ☆ ☆

کہہ دیا خوب! "ہم کو پیار نہ کر"
جبر اتنا بھی اختیار نہ کر

محفلِ غیر میں خُدا کے لئے
تُو مجھے یاد بار بار نہ کر

دیکھ اے احتیاط پائے جنوں
خار سے ڈر کے ہم کو خوار نہ کر

دشمنِ اہل اشتیاق نہ بن
حُسنِ رُخ کو نقاب دار نہ کر

وعدہائے دور غمِ تسکین سے
اور بھی دل کو بے قرار نہ کر

دے کے اہلِ ہوس کو قول وصال
عشق بازوں کو شرمسار نہ کر

ہو غریبوں پہ بھی نگاہِ کرم!
دیکھ اے چشمِ یار عار نہ کر

سوزِ غم کو بھی سازِ عیش سمجھ
عشق میں فرق نور و ناز نہ کر

شرم دعوائے عشق رکھ حسرت
فکرِ غمِ ہائے روزگار نہ کر

☆ ☆ ☆

اُمیدِ انتظار سے ہرگز نہ آئے باز
ہم شوقِ لطفِ یار سے ہرگز نہ آئے باز

جورِ غرورِ حُسن پہ بھی اہلِ آرزو!
اظہارِ انکسار سے ہرگز نہ آئے باز

ہم تھے وہ بے اصول کہ باوصف ہجرِ یار
گل چینیِ بہار سے ہرگز نہ آئے باز

میخواریاں نہ چھُوٹ سکیں' رندِ بادہ نوش!
اندیشۂ خمار سے ہرگز نہ آئے باز

ہم کو بھی اس سے کام نہیں کچھ' یُونہی سہی
دل خواہشِ قرار سے ہرگز نہ آئے باز

مجبورِ آرزو تھے جو حسرتؔ سو مر کے بھی
شوقِ لقائے یار سے ہرگز نہ آئے باز

☆ ☆ ☆

احباب نہ آئے کوئی پیغامِ اجل تک
مجبور تھے کیا کیا ترے مہجور بھی کل تک

خالی نہ ہمیں غم سے ملا ایک بھی لحظہ!
لے شامِ ابد دیکھ چکے صبحِ ازل تک

داعی ہے محبت کا تری زہد بھی جس کو
معلوم نہیں شکوہ شکایت کا محل تک

ہم جامی و حافظ کے بھی قائل ہیں پر حسرتؔ
خوبی میں نہ پہنچا کوئی سعدی کی غزل تک

عاشقوں سے ناروا ہے بے وفائی آپ کی
حد سے بڑھ جائے نہ شانِ کج ادائی آپ کی

آرزو کے دل میں آئیں گی نہ کیا کیا آفتیں
دَرپے انکار ہے ناآشنائی آپ کی

خُوبرو ہیں آپ' مانا ہم نے پھر بھی اس قدر
دیکھیے اچھی نہیں خود ستائی آپ کی

رہ گئی اہلِ ہوس میں یادگارِ حُسن و عشق
ناز برداری ہماری' دلربائی آپ کی

مجھ سے یہ اکثر کہا کرتا ہے وہ مخمورِ ناز
دیکھیے نبھتی ہے کب تلک پارسائی آپ کی

اِک ہمیں تو کچھ نہیں ہیں آپ کے طاعت گزار
تابعِ فرماں ہوئی ساری خدائی آپ کی

کیسے دیکھے کون دیکھے آپ کا نورِ جمال
جان جب ٹھہری ہوئی ہو' رونمائی آپ کی

آپ کو آتا رہا میرے ستانے کا خیال
صلح سے اچھی رہی مجھ کو لڑائی آپ کی

برق کا اکثر یہ کہنا یاد آتا ہے مجھے!
تنکے چنوانے لگی ہم سے جدائی آپ کی

عرض کر کے حالِ دل کس درجہ ہیں محبوب ہم!
دیکھ کر غصے میں صورت تمتمائی آپ کی

شاہ جیلانؒ کے سوا مُشکل کُشا کے واسطے
کون کرتا اور حسرت رہنمائی آپ کی

☆ ☆ ☆

عقدہ وصالِ یار کا حل ہو تو جانیئے
خوف و خلوص و علم و عمل ہو تو جانیئے

گھبرا کے روح کہتی ہے روزِ فراقِ یار
اس نامُراد آج کی کل ہو تو جانیئے

تمکین و قہرِ یار میں مشکل ہے امتیاز
غصے سے ابروؤں پہ جو بَل ہو تو جانیئے

کیونکر کھلے ہوئے ہیں، وہ کس بات پر خفا
کچھ بھی جو بے رُخی کا محل ہو تو جانیئے

حسرتؔ یہ رنجِ ہجر یہ قید اور یہ جورِ غیر
اس کش مکش میں آج غزل ہو تو جانیئے

☆ ☆ ☆

ترے حُسن کا دور دورا رہے گا
نہ میرا یہ جوشِ تمنا رہے گا
مگر سالہا سال بعدِ فنا بھی
زمانے میں دونوں کا چرچا رہے گا
نہ سرمایہ داروں کی نخوت رہے گی
نہ حکام کا جوہرِ بے جا رہے گا
زمانہ وہ جلد آنے والا ہے جس میں
کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے گا
جو مٹ جائیگا ہو کے خاک اس گلی کی
وہ اچھا رہا ہے وہ اچھا رہے گا
اُسے کیا ہو پروائے محشر جو ترا
بدستور محوِ تماشا رہے گا
وہ حُسن و محبت میں یکساں ہے کامل
وہ دونوں کی آنکھوں کی تارا رہے گا
ترے عشق میں دعوئے صبرِ حسرت
ابھی تک بھلا کیا رہا کیا رہے گا

☆ ☆ ☆

کوچہ اُس فتنۂ دوراں کا دکھا کر چھوڑا
دل نے آخر ہمیں دیوانہ بنا کر چھوڑا

پردہ ہم سے جو وہ کرتے تھے نہ کرنے پائے
شوقِ بے باک نے اس کو بھی اُٹھا کر چھوڑا

لُطفِ ماضی کی جو کچھ یاد تھی باقی دل میں
اُس کو بھی ترے تغافل نے مٹا کر چھوڑا

مجھ کو معلوم ہے پیمانۂ مے میں ساقی
تُو نے جو کچھ کہ مری آنکھ بچا کر چھوڑا

دامنِ حُسن ترا خونِ شہادت نے مرے
عطرِ خوشبوئے محبت میں بسا کر چھوڑا

مرگِ حسرت کا بہت رنج کیا' آخرکار
اَثرِ عشق نے ان کو بھی رُلا کر چھوڑا

☆ ☆ ☆

دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا!
کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا

طلب مری بہت کچھ ہے مگر کیا
کرم ترا ہے دریا اِک عطا کا!

کہاں تک ناز اُٹھائے آخر اے حُسن
ہوس ترے مزاجِ خُودستا کا!

نہیں معلوم کیا اے شاہِ خُوباں
تجھے کچھ حال اپنے مبتلا کا!

بجائے اسمِ اعظم آپ کا نام
وظیفہ ہے مرا صبح و مسا کا

غضب کا سامنا ہے عاشقوں کو
دیارِ حق میں افواجِ بلا کا

نثار اُن پر ہوئے اچھے رہے ہم
تقاضا تھا یہی خوئے وفا کا!

اُٹھایا ہے مزا دل نے بہت کچھ
محبت کے غمِ راحت فزا کا

جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرتؔ!
تمہیں حق اُن سے کیا چون و چرا کا

☆ ☆ ☆

آشنا ہو کر نظر نا آشنا کرنے لگے
ہم سے کیا دیکھا کہ تم پاسِ حیا کرنے لگے

رشک آیا ہے مجھے کیا کیا جب انکے رُوبرو
مدعی بیباک عرضِ مدعا کرنے لگے

حلقۂ اغیار میں بھی پا کے اُن کو گرم لطف
ہم لبِ حسرت سے شورِ مرحبا کرنے لگے

اور تو کچھ بھی نہ ہم سے اُس کے آگے بن پڑا
حُسنِ خلقِ یار کی مدح و ثنا کرنے لگے

دلربائی کا بھی کچھ کچھ ڈھب اُنہیں آنے لگا
بات مطلب کی اشاروں میں ادا کرنے لگے

کون کہتا ہے کہ ہم ہیں مائلِ ترکِ وفا
آپ ناحق اپنے دل کو بدمزا کرنے لگے

بھول کر حکمِ خُدا، یادِ بُتاں رہنے لگی
کیا تمہیں کرنا تھا حسرت آہ کیا کرنے لگے

☆☆☆

دردِ دِل کی اُنہیں خبر نہ ہوئی
کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی

کوششیں ہم نے کیں ہزار مگر
عشق میں ایک معتبر نہ ہوئی

کر چکے ہم کو بے گناہ شہید
آپ کی آنکھ پھر بھی تر نہ ہوئی

آئی بُجھنے کو اپنی شمعِ حیات
شبِ غم کی مگر سحر نہ ہوئی

تم سے کیونکر وہ چُھپ سکے حسرتؔ
نگہِ شوق پردہ در نہ ہوئی

☆☆☆

وفا تجھ سے اے بے وفا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

تری آرزو ہے اگر جرم کوئی
تو اس جرم کی میں سزا چاہتا ہوں

وہ مجھ کو برا جانتے ہیں تو جانیں
میں اس پر بھی ان کا بھلا چاہتا ہوں

میں بیمارِ غم ہوں، مداوائے غم کو
ترے در کی خاکِ شفا چاہتا ہوں

نصیحت گروں کی ملامت سے بے غم
میں اس شوخ کو برملا چاہتا ہوں

اسے بے بتائے وہ خود جانتے ہیں
جو میں اپنے حق میں دعا چاہتا ہوں

☆☆☆

تجھ کو اے محوِ تغافل میری پرواہ ہی نہیں
حالِ دل کس سے میں کہتا تو نے پوچھا ہی نہیں

میری بیتابی کا سُن کر ہمدموں سے ماجرا
ہنس کے وہ کہنے لگے ہم نے تو دیکھا ہی نہیں

خوب ہو گر دیکھنے آئیں وہ میرا حالِ زار
درسِ عبرت بھی تو ہے خالی تماشا ہی نہیں

مرمٹے اُن پر تو حسرتؔ اس قدر نازاں ہو کیوں
اس گلی میں کچھ تمہیں کوئی سمجھتا ہی نہیں

☆ ☆ ☆

بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا
اب تو اظہارِ محبت برملا ہونے لگا

کیا کہا میں نے جو ناحق تم خفا ہونے لگے
کچھ سُنا بھی یا کہ یُونہی فیصلہ ہونے لگا

اب غریبوں پر بھی ساقی کی نظر پڑنے لگی
بادۂ پس خوردہ ہم کو بھی عطا ہونے لگا

میری رسوائی سے شکوہ ہے یہ اُن کے حُسن کو
اب جسے دیکھو وہ میرا مبتلا ہونے لگا

یاد پھر اُس بے وفا کی ہر گھڑی رہنے لگی
پھر اُسی کا تذکرہ صبح و مسا ہونے لگا

کچھ نہ پوچھو حال کیا تھا خاطرِ بے تاب کا
اُن سے جب مجبور ہو کر مَیں جُدا ہونے لگا

غیر سے مل کر اُنہیں ناحق ہُوا میرا خیال
مجھ سے کیامطلب بھلا میں کیوں خفا ہونے لگا

قیدِ غم سے تیرے جاں آزاد کیوں ہونے لگی
دامِ گیسو سے ترے، دل کیوں رِہا ہونے لگا

کیا ہوا حسرت وہ تیرا ادعائے ضبطِ غم!
دو ہی دن میں رنجِ فرقت کا گِلا ہونے لگا

ہر دل میں اک ہجومِ محبت ہے آج کل
اس شوخ کی کچھ اور ہی صورت ہے آج کل

اے سحرِ حسنِ یار میں اب تجھ سے کیا کہوں
دل کا جو حال تری بدولت ہے آج کل

شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھ کو کہ اور بھی
تکلیف اضطراب کی شدت ہے آج کل

مستور کس حجاب میں ہے وہ جمال پاک
اہل نظر کو جس سے عقیدت ہے آج کل

برپا ہے بزمِ یار میں اک حشر آرزو
اظہارِ شوق کی جو اجازت ہے آج کل

اک طرفہ بے خودی کا ہے عالم کہ عشق میں
تکلیف آج کل ہے، نہ راحت ہے آج کل

ساقی سے فصلِ گل میں کریں کیوں سوالِ مے
کیا اِلتماس کی بھی ضرورت ہے آج کل

☆ ☆ ☆

ہم پر تری نگاہ جو پہلے تھی اب نہیں
سو بھی نہ کچھ دنوں میں رہے تو عجب نہیں

صادق نہیں وہ عشق جسے ازرہِ نیاز
منظورِ نازِ حُسن کا پاسِ ادب نہیں

تھے بسکہ دل پذیرِ محبت کے واقعات
کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھے ہے جو سب نہیں

مسرور یادِ یار ہے کیا تری سادگی
اے دل یہ شامِ ہجر ہے عشرت کی شب نہیں

کیونکر کہوں نہیں اُنہیں پروائے عاشقاں
کیا حُسنِ مہوشاں بھی تماشا طلب نہیں

کیوں عشق میں ابھی سے نہ ہو جائیں ہم فنا
کیا جانئے کہ موت کب آتی ہے کب نہیں

حسرت جفائے یار تو اک عام تھی ادا
اظہارِ التفات مگر بے سبب نہیں

☆ ☆ ☆

دیکھنا بھی تو اُنہیں دُور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حُسن کو رسوا کرنا

اک نظر بھی تری کافی تھی پے راحتِ جاں
کچھ بھی دُشوار نہ تھا مجھ کو شکیبا کرنا

اُن کو یاں وعدے پہ آلینے دے اے ابرِ بہار
جس قدر چاہنا پھر بعد میں برسا کرنا

شام ہو یا کہ سحر، یاد اُنہیں کی رکھنی
دن ہو یا رات، ہمیں ذکر اُنہیں کا کرنا

صوم زاہد کو مبارک رہے عابد کو صلوٰۃ!
عاصیوں کو تری رحمت پہ بھروسا کرنا

عاشقو! حُسنِ جفاکار کا شکوہ ہے گناہ
تم خبردار، خبردار نہ ایسا کرنا

کچھ سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ یہ کیا ہے حسرتؔ
اُن سے مل کر بھی نہ اظہارِ تمنا کرنا

☆☆☆

اُن سے مل کر شکوۂ بے اعتنائی پھر کہاں
شاد رہ اے دل کہ یہ لُطفِ جُدائی پھر کہاں

اب بھی ہیں اہلِ ہوس ناقدردانِ شانِ حسن
لے چلا ہے اُن کو شوقِ خودنمائی پھر کہاں

سب ہماری زندگی ہی تک ہیں اُن کے حوصلے
ورنہ یہ نازو غرورِ دلرُبائی پھر یہاں

شوق ہو کامل تو کیسا جورِ خُوباں کا گلا!
باوفا ہم ہوں تو رنجِ بے وفائی پھر کہاں

تُم ہو کیسے، کوئی دنیا میں اگر اپنا نہیں
یعنی جب یہ ہے تو فکرِ بے نوائی پھر کہاں

شرط ہے اک بار پڑ جانا تُمہارے عشق میں
اس طلسمِ غم سے اُمیدِ رہائی پھر کہاں

لُوٹ لے جی بھر کے حسرت لذّتِ آغازِ عشق
اس ستمگر کا یہ رنگِ آشنائی پھر کہاں

☆☆☆

جذبۂ شوق کدھر کو لئے جاتا ہے مجھے
پردۂ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس جفاکار سے ملنے کی تمنا ہے مجھے
اب بھی میں کچھ نہیں کہتا یہی کہنا ہے مجھے

مَرمِٹا آپ پہ کون آپ نے یہ بھی نہ سنا!
آپ کی جان سے دور آپ سے شکوہ ہے مجھے

قوتِ عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس
جب کبھی گرنے لگا ہوں میں، سنبھالا ہے مجھے

تُم سے ملنے کی یہ راہیں کہیں ہو جائیں نہ بند
خوف رہ رہ کے اسی وہم سے آتا ہے مجھے

☆ ☆ ☆

وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ رہتے تھے ہم دونوں
نہ تھے آگاہ آزارِ فرقت سے ہم دونوں

نہ کر سکتا تھا باہم فرقِ محبوب و محب کوئی
جُدا ہونے لگے تھے جس گھڑی با چشمِ نم دونوں

نہ ہم پر ہے نہ دشمن پر کرم اس شوخِ پُر فن کا
بہم ہے رشک دونوں کو مگر ہیں وقفِ غم دونوں

جمالِ یار سے روشن بہر شان و بہر صورت
مرے پیشِ نظر ہیں جلوۂ دیر و حرم دونوں

دل و جانِ محبّاں پر ہے یکساں لُطفِ عام اسکا
نگاہِ یار کے حسرت ہیں ممنونِ کرم دونوں

☆☆☆

محبوب ہیں محبوب کی ہر بات بجا ہے
اب مجھ سے تغافل بھی وہ فرمائیں تو کیا ہے!

پھر شکوۂ غم کا مجھے کیوں شوق ہوا ہے!
پھر ہنس کے وہ کہہ دیں گے یہی تری سزا ہے

ہم خوش ہیں بہرحال جفا ہو کہ وفا ہو
وہ یوں کہ محبت کی سزا میں بھی مزا ہے

سُونگھی تھی جو اک بار وہ خُوشبوئے گریباں
اب تک یہ اسی بُوئے گریباں کا نشہ ہے

کہنے کو تو ظاہر میں خفا ہم بھی ہیں لیکن
کچھ دل کا عجب حال ہے جب سے وہ خفا ہے

ہم چھین کے لے بھی گئے پان آپ کے منہ کا!
کہتے ہی رہے آپ کہ دیں گے نہ دیا ہے

شرما کے وہ بولے بھی تو کیا "ہم سے نہ بولو"
کیا خُوب تری چھیڑ کا حسرت یہ صلہ ہے

☆☆☆

گاہِ یکسر لطفِ گاہے سر بسر بے داد ہیں
دل رُبائی کے اُنہیں کیا کیا طریقے یاد ہیں

مرحبا اے حُسنِ غم اے یادگارِ عشقِ دوست
جان و دل تری بدولت شاد ہیں آباد ہیں

کچھ تو بارے وہ تغافل میں کمی کرنے لگے
جب سے یہ جانا کہ ہم آمادۂ فریاد ہیں

حُسنِ صورت میں ترے شامل ہے حُسنِ التفات
ہم اُنہی باتوں کے تو گرویدہ ہیں برباد ہیں

چھیڑ سے بولے وہ حسرت کیوں ہمیں چاہو کہ ہم
بے مروّت ہیں، جفا جُو ہیں، ستم ایجاد ہیں

☆ ☆ ☆

قسمت شوق آزما نہ سکے
اُن سے ہم آنکھ بھی ملا نہ سکے

ہم سے دل آپ نے اُٹھا تو لیا!
پر کہیں اور بھی لگا نہ سکے

اب کہاں تم، کہاں وہ ربطِ وفا
یاد بھی جس کی ہم دلا نہ سکے

دل میں کیا کیا تھے عرضِ حال کے شوق
اس نے پوچھا تو کچھ بتا نہ سکے

ہم تو کیا بھولتے اُنہیں حسرت
دل سے وہ بھی ہمیں بھلا نہ سکے

☆☆☆

کیا ہو، یہ آج پوچھیں گے اس نازنیں سے ہم
تجھ سا جو کوئی ڈھونڈ نکالیں کہیں سے ہم

کہہ دے نہ اُن کے منہ پہ کہیں شوقِ پائے بوس
ڈرتے نہیں کچھ آپ کی چینِ جبیں سے ہم!

کیا بات ہے ترے کرم فتنۂ خیز کی
واقف ہیں اس خطابِ عتاب آفریں سے ہم

تنہا نہ جاؤ چھوڑ کے ہم کو، غمِ فراق
کیونکر اُٹھے گا پوچھ رہے ہیں تمھی سے ہم

ہمت کا سر جُھکا ہے درِ غوث پاک پر
پانا جو کچھ ہے پائیں گے حسرت یہیں سے ہم

☆ ☆ ☆

تُمہارا ناز فرمانا بُرا ہے
ہمارا ہوش میں آنا بُرا ہے

ترا ہر بات پرٗ اے حیلہ پرور
مرے سر کی قسم کھانا بُرا ہے

تکلف سب سے کر اے جانِ محفل
مجھی سے ترا شرمانا بُرا ہے

یہی کہہ دو کہ اب ملنا نہ ہوگا
یہ تڑپانا' یہ ترسانا بُرا ہے

مری ہر دم کی بے تابی سے جل کر
وہ کہتے ہیں یہ دیوانا بُرا ہے

یہی کہہ دے نہ اک دن اے ستمگر
تری حاجت کا بَر لانا بُرا ہے

وہاں بھی کیا نہیں اصنام پندار
تو کیوں مسجد سے بت خانا بُرا ہے

ہرے ہو جائیں گے سب داغ دل کے
ترا حسرت اُدھر جانا بُرا ہے

☆☆☆

مری نگہِ شوق کا شکوہ نہیں جاتا
سوتے میں بھی وہ پاس سے دیکھا نہیں جاتا

جا کر کوئی اُس محوِ تغافل سے یہ کہہ دے
اب تو دلِ بے تاب سے تڑپا نہیں جاتا

اب اس کو تغافل نہ کہوں میں تو کہوں کیا
کیا خواب میں بھی آپ سے آیا نہیں جاتا

اُمید نہیں اُن سے ملاقات کی ہر چند
آنکھوں سے مگر شوقِ تماشا نہیں جاتا

گھبرا کے کہا صبر نے بے تابیِ دل سے
اب مجھ سے دلِ زار میں ٹھہرا نہیں جاتا

واللہ تجھے چھوڑ کے اے کوچۂ جاناں!
حسرتؔ سے تو فردوس میں جایا نہیں جاتا

☆☆☆

ستائیے نہ مجھے یونہی دل فگار ہوں میں
رُلائیے نہ مجھے خود ہی بے قرار ہوں میں

اُنہی نے توڑ کے توبہ شراب پلوائی
رہینِ ابر ہوں منت کشِ بہار ہوں میں

گئے وہ دن کہ تمنا وصالِ یار کی تھی
یہ حال اب ہے کہ ممنون ہجرِ یار ہوں میں

ترا یہ رنگ کہ ہے بے سبب خفا مجھ سے
مرا یہ حال کہ بے وجہ بے قرار ہوں میں

نہ دوں بہشت کے بدلے میں ایک جامِ شراب
نہ آفتاب سے بدلوں وہ بادہ خوار ہوں میں

وہ درد مند ہوں حسرتؔ کہ اب بجائے ستم
کرے جو لطف بھی کوئی تو اشک بار ہوں میں

☆☆☆

ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں!
کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

تسکین ہم نشیں سے بڑھا درد اور بھی!
یعنی غمِ فراق کی کوئی دوا نہیں

شوقِ بقائے درد کی ہیں ساری خاطریں
ورنہ دعا سے اور کوئی مدعا نہیں

کب تک کسی کے ناز تغافل اٹھائے دل
کیا امتحان صبر کی کچھ انتہا نہیں

محرومیوں نے دل کا یہ کیا حال کر دیا!
گویا اُمیدِ وصل سے ہم آشنا نہیں!

ارماں مرے وصال میں نکلیں تو کس طرح
جوشِ طرب سے دل میں کہیں راستا نہیں

شوقِ جفا سے آج تلک اُن سے رسم ہے
کہتا ہے اُن کو کون کہ وہ با وفا نہیں

آتا تو ہوں خیال میں اُن کے کبھی کبھی!
میں موردِ جفا ہوں تو یہ بھی بُرا نہیں

خود اُس کو میری عرضِ تمنا کا شوق ہے
کیوں ورنہ یوں سنے ہے کہ گویا سنا نہیں

میری نگاہِ شوق پہ اس درجہ خفگیاں
اور اپنی چشمِ شوخ کو مطلق سزا نہیں

حسرت مرے کلام میں مومن کے رنگ ہیں
ملکِ سخن میں مجھ سا کوئی دوسرا نہیں

☆ ☆ ☆

کب یہ کہتے ہیں کہ ہم ترے گنہگار نہیں
ہاں مگر اتنی جفا کے بھی سزاوار نہیں

میرے اظہار ندامت کو پشیمان کیا!
اب نہ کہنا کہ ہمیں رحم سے انکار نہیں

عقل بھی اصل میں اک شعبۂ حیرانی ہے
ہوشیاری ہے یہی میری کہ ہشیار نہیں

نہ سہی آپ جفا سے جو نہیں باز آتے
جایئے جایئے اب ہم کو بھی اصرار نہیں

فکرِ آزادی و آرام سے آزاد رہے
عُمر بھر خُوب ہُوا قیدیِ صیاد رہے

منتِ لُطفِ عزیزاں سے تو آزاد رہے
ہم، سفر میں رہے ناشاد بھی تو شاد رہے

لُطف اُس میں بھی مِلا نسبتِ جاناں سے ہمیں
غم شبہائے جُدائی سے بھی ہم شاد رہے

ہم اسیرانِ قفس حال کہیں کیا اپنا
عمر بھر موردِ بے رحمیِ صیاد رہے

قصہء ترکِ محبت کی حقیقت معلوم
حسرتؔ! اور قیدِ غمِ عشق سے آزاد رہے

☆☆☆

غمِ ہجراں کا یا رب کس زباں سے ماجرا کہئے
نہ کہئے گر تو کیا کہئے، اگر کہئے تو کیا کہئے

شبِ غم جز خیالِ یار اپنا کون مونس ہے
اُسی کو دوست کہئے یار کہئے آشنا کہئے

سمجھئے دل کو ہمدم کس کے شوق بے نہایت کا
نگاہِ شوق کو کس کی نظر کا آشنا کہئے

اُسی سے کچھ تسلی ہو دلِ ناشاد کی شاید!
خیالِ یار سے دردِ جگر کا ماجرا کہئے

کہاں ہر لحظہ پیشِ دوست محوِ لطف رہتے تھے
کہاں یہ صدمہ ہائے غم اٹھاتے ہیں کہ کیا کہئے

نسیمِ صبح جاتی ہے سوئے ملکِ دکن حسرت
تپش ہائے جُدائی کا اسی سے ماجرا کہئے

☆☆☆

وہی آرزوئیں ہیں حسرت وہی ہے
مجھے تم سے اب تک محبت وہی ہے

ہوئی گرچہ ترک محبت کو مدت
مگر مجھ کو رونے کی عادت وہی ہے

بظاہر وہ ہر چند مجھ سے خفا ہوں
مگر دل ہی دل میں محبت وہی ہے

جو کی مے سے توبہ بھی تو کیسی توبہ!
ابھی ابر آئے تو عادت وہی ہے

بسر ہوگی کیونکر شبِ ہجر حسرت!
ابھی تک تپِ غم کی شدت وہی ہے

☆ ☆ ☆

جفا تیری بہت اے بے مروت بڑھتی جاتی ہے
ہمیں بھی خواہشِ ترکِ محبت بڑھتی جاتی ہے
اُدھر جرمِ محبت پر وہ برہم ہوتے جاتے ہیں
اِدھر دل میں تمنائے شہادت بڑھتی جاتی ہے
وہ اظہار وفا پر بھی جفائیں کرتے جاتے ہیں
دل وقفِ ندامت کی ندامت بڑھتی جاتی ہے
بظاہر ان میں گو خوئے تغافل آتی جاتی ہے
مگر ہے یوں کہ ان کو مجھ سے الفت بڑھتی جاتی ہے
سکھا دی ہیں نرالی شوخیاں کچھ لطف جاناں نے
مرے دست تمنا کی شرارت بڑھتی جاتی ہے
جمال یار میں ہر دم ترقی ہوتی رہتی ہے!
دل حیراں کی جس سے روز حیرت بڑھتی جاتی ہے
طبیعت خوگر دردِ محبت ہوتی جاتی ہے
تمہارے جورِ بے پایاں کی لذت بڑھتی جاتی ہے
اُدھر شب کو وہ محو راحت ہوتے جاتے ہیں
اِدھر آنکھوں کو پابوسی کی حسرت بڑھتی جاتی ہے

☆ ☆ ☆

ہم نے ہر بات اپنے حق میں جانی آپ کی
مہربانی ہو کہ ہو نامہربانی آپ کی

خود غرض ہم کو بھی ٹھہرایا جو غیروں کی طرح
دیکھئے اچھی نہیں یہ بدگمانی آپ کی

آپ کے معشوق ہو کر عاشقی کی داستاں
کاش ہم بھی ایک دن سنتے زبانی آپ کی

اس گُلِ رعنا کا حسرتؔ یونہی کیا کم تھا جمال
ہوگئی ہے طرّہ جس پر خوش بیانی آپ کی

☆☆☆

جہاں تک ہم اُن کو بھلاتے رہے ہیں
وہ کچھ اور بھی یاد آتے رہے ہیں

اُنہیں حالِ دل ہم سناتے رہے ہیں
وہ خاموش زلفیں بناتے رہے ہیں

محبت کی تاریکیِ یاس میں بھی
چراغ ہوس جھلملاتے رہے ہیں

جفاکار کہتے رہے ہیں جنہیں ہم!
انہیں کی طرف پھر بھی جاتے رہے ہیں

وہ سوتے رہے ہیں الگ ہم سے جب تک
مسلسل ہم آنسو بہاتے رہے ہیں

وہ سنتے رہے مجھ سے افسانہ غم
مگر یہ بھی ہے مسکراتے رہے ہیں

نہ ہم ہیں نہ ہم تھے ہوس کار حسرت
وہ ناحق ہمیں آزماتے رہے ہیں

☆☆☆

دل اُن سے مل کے اب اُن کو بھلا نہیں سکتا
مگر یہ کیوں ہے میں خود بھی بتا نہیں سکتا

بقدر حوصلہ عاشقی ہے شوقِ وصال!
مگر وہ شوق جو دل میں سما نہیں سکتا

ستم یہ کس کے تغافل کا ہے کہ اب دل میں
میں پھر سے شوق کی دنیا بسا نہیں سکتا

یہ کس کے عجز تمنا کا پاس ہے کہ وہ شوخ
بہ زعمِ ناز بھی دامن چھڑا نہیں سکتا

اُنہیں یقین محبت نہیں غضب تو یہ ہے
کہ چیر کر میں دل اپنا دکھا نہیں سکتا

اگرچہ میں ہمہ تن درد ہوں مگر حسرت
کوئی جو پوچھے کہاں ہے بتا نہیں سکتا

☆☆☆

پھر سے تقدیر آزمانا چاہیے
ربط اُنہی سے پھر بڑھانا چاہیے

بجھ گئی تھی دل میں جو شمع امید
اس کو پھر روشن کرانا چاہیے

حُسن کی بے مہریوں کے سب گلے
آرزو کو بھول جانا چاہیے!

جن کو مدت سے بھلا بیٹھے تھے ہم
پھر اُنہی سے دل لگانا چاہیے!

مضطرب ہے پھر بھی حسرت کیوں نہ ہو
جب کہ اس کو بھی زمانا چاہیے

☆☆☆

طلب لذت آزار سے بھی کچھ نہ ہوا
اس جفا پیشہ ستم گار سے بھی کچھ نہ ہوا

پھر بھی صیاد کو توفیق ترحم نہ ہوئی
شیون مرغ گرفتار سے بھی کچھ نہ ہوا

وہ عیادت کو جو آئے بھی تو بیگانہ رہے
نظر آکر بیمار سے بھی کچھ نہ ہوا!

نگہ خلق میں پھر بھی نہ بڑھی کچھ عظمت
شیخ کے جبہ و دستار سے بھی کچھ نہ ہوا

حُسن کے جوہر تغافل میں ترقی کے سوا
شوق کے گریہ ناچار سے بھی کچھ نہ ہوا

مژدہ وصل نہ ملنا تھا نہ حسرت کو ملا
انفعال نگہ یار سے بھی کچھ نہ ہوا!

☆ ☆ ☆

ہر لحظہ خودکشی کا طلب گار ہوگیا
جینا فراقِ یار میں دشوار ہوگیا

تسکینِ غم سے سوزِ محبت کا راستہ
اہل وفا کے واسطے ہموار ہوگیا

اچھا ہوا کہ شیخ پہ بھی عاشقی کا رنگ
ایسا پڑا کہ رونقِ دستار ہوگیا

ہمت نہ ہو سکی طلب التفات کی
ڈر یہ رہا ادھر سے جو انکار ہوگیا

اُس شوخ کی نگاہ کا جادو میں کیا کہوں
جس پر نظر پڑی وہ گرفتار ہوگیا

سُن سُن کے ترے دردِ محبّت کی لذتیں
ہر شخص جان و دل سے خریدار ہوگیا

حسرت یہ خُو بری ہے ترے اعتذار کی
شکرِ جفا سے اور وہ بے زار ہوگیا

☆☆☆

حوصلہ اُن کی شناسائی کا
سر پھرا ہے دل سودائی کا

برہمی اُن کی بجا ہے کہ تجھے
پھِر ہوا زعم شکیبائی کا!

ملگجی ہے تری پوشاک تو کیا
یہ بھی ایک رنگ ہے زیبائی کا

شوق مایوس کے حق میں وہ نظر
کام کرتی ہے مسیحائی کا

میری رسوائی کی جانب تو نہیں
رُخ تری انجمن آرائی کا

آپ مجبور ہیں بے حوصلہ ہم!
نام بدنام ہے یک جائی کا

شعر حسرت میں ابھی تک ہے ہنر
عیب بھی قافیہ پیمائی کا

☆☆☆

جوشِ غم کو موجبِ عیش فراواں کیجئے
جی میں ہے اب یوں علاج درد حرماں کیجئے

گریۂ رنگیں کو وجہ زیب داماں کیجئے
آہ سوزاں کو چراغ خانۂ جاں کیجئے

شکوۂ جوروجفا کو چھوڑ کر شکرِ ستم
کیجئے اور خوب سا اُن کو پشیماں کیجئے

آپ ہی کے عشق کا حسرت ہے اُس پر بھی اثر
آپ ہی اب محسن کی مشکل کو آساں کیجئے

☆☆☆

مجھ سے اے دل اُنہیں گلا نہ رہے
تو رہے برقرار یا نہ رہے

شوق کو دل میں برینائے ہجوم
ڈر یہی ہے کہ راستا نہ رہے

آپ ہی کو کرم کی خو نہ رہی
یا ہمیں در خور عطا نہ رہے

وصل میں بوئے جسم یار کو آج!
شوق سے پردۂ قبا نہ رہے

ان سے کیا تم نے کہہ دیا حسرت
کہ وہ اب مائل جفا نہ رہے

☆☆☆

وہ کہتے ہیں پھر تجھ کو آنا پڑے گا
ہمیں کو پھر اُلٹے منانا پڑے گا

نہ جب تجھ سے مطلب رہا کچھ تو دل سے
تری یاد کو بھی بھلانا پڑے گا

تری یاد بھی چھوٹ جائے گی لیکن
بہت دل کو صدمہ اٹھانا پڑے گا

کہاں جائے گی عشق بازی کی عادت
کہیں اور دل کو لگانا پڑے گا!

تجھے بزم خوباں میں در خوں کا اپنے
بلا کر نمونہ دکھانا پڑے گا!

☆☆☆

اُنھیں شوقِ خود آرائی نہ ہوتا
تو اتنا دل بھی سودائی نہ ہوتا

تغافل مجھ سے کیوں کرتے خود اُن کو!
اگر دعوائے زیبائی نہ ہوتا

تری بدنامیوں کا ڈر ہے ورنہ
ہمیں کچھ خوف رسوائی نہ ہوتا

نہ ہوتے اُن کے ہم عاشق تو شاید
اُنھیں بھی ناز یکتائی نہ ہوتا

جفا بے شک وہ کم کرتے جو حسرت
ستم جزوِ دل آرائی نہ ہوتا

☆☆☆

کوشش وصال یار کی معذور ہو چکی
اب ہم سے خدمتِ دلِ رنجور ہو چکی

عرضی جنابِ حُسن میں بھجوا کے شوق کو
ہر دم ہے اب یہ سوچ کہ منظور ہو چکی

لے کر چلی ہے مغفرتِ حق ہمیں کہاں
جنت میں ہم سے عاشقیِ حور ہو چکی

دستور کے اصول مسلم ٹھہر چکے
شاہی بھی رامِ غلبہ جمہور ہو چکی

سرمایہ دار خوف سے لرزاں ہیں کیوں نہ ہوں
معلوم سب کو قوتِ مزدور ہو چکی

اور آپ اُس سے چاہتے کیا ہیں سوائے سوز
حسرت یہ نارِ عشق ہے، یہ نور ہو چکی

☆☆☆

عشق اب ہے نہ عاشقی کی ہوس
ہم ہیں اور دل سے بے دلی کی ہوس

غنچۂ شوق ہے فسردۂ یاس!
مٹ چکی سب شگفتگی کی ہوس

رہ نہ جائے ترے تغافل سے
کہیں جی ہی میں اپنے جی کی ہوس

عشق ہر چند رامِ حُسن رہا!
پر نہ چھوٹی برابری کی ہوس

ہم کو اُن کی درشت خوئی سے
ہے عبث لطف و آشتی کی ہوس

کیوں نہ ہو دلبروں کو شوقِ ستم
اہلِ دل کو ہے بے کسی کی ہوس

عشق حسرت کو ہے غزل کے سوا
نہ قصیدے نہ مثنوی کی ہوس

☆ ☆ ☆

## تخلیقات کی شائع کردہ شاعری

| | | | |
|---|---|---|---|
| غزلیات میر | انتخاب محمد آصف بھٹی | تمہارے شہر کا موسم | نذیر قیصر |
| تمہی میری تمنا ہو | مدثر فاضل مجیب | ترکش | عدیم ہاشمی |
| غم بہار | ساغر | لوح جنوں | ساغر صدیقی |
| اے شام ہم سخن ہو | نذیر قیصر | چہرہ تمہارا یاد رہتا ہے | عدیم ہاشمی |
| لذت گفتار | باقری زیدی | سفر تیری محبت کا | مدثر فاضل مجیب |
| منتخب نظمیں | فرحت عباس شاہ | شاہکار رومانی غزلیں | یاسر جواد |
| محبت کی نظمیں | انتخاب طاہر اصغر | ساغر کی شاہکار غزلیں | ساغر صدیقی |
| دیوان غالب | مرزا اسد اللہ غالب | محبت کے اشعار | مرتب ضیاء ساجد |
| دھیان کی سیڑھیاں | اعزاز احمد آذار | تری تلاش کا موسم | نوید جمیل |
| ابھی موسم نہیں بدلا | بخش لائل پوری | محبت کی غزلیں | انتخاب الیاس |
| اردو کی نمائندہ غزلیں | اعزاز احمد آذر | | |

اکرم آرکیڈ، ۲۹۰ ٹمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳